



**INTRODUCTION^{To} TADHKIRAHAI SHORA-I-FARSI^A
NAVISHTE DAR HIND AZ AGHAZ TA
DORA-I-MUHAMMAD SHAH OF DELHI**

DISSERTATION
SUBMITTED IN PARTIAL FULFILMENT OF THE REQUIREMENTS
FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF
Master of Philosophy
IN
PERSIAN

BY
MOHD. ABSAR AHMAD

Under the Supervision of
DR. NASEER AHMAD SIDDIQUI

DEPARTMENT OF PERSIAN
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

1994



تعارف تذکرہ ہائے شعرائے فارسی نوشتہ در پند از آغاز تا دور محمد شاہ باستان دہلی

مقالہ پروفیسر ایم غفل

۵۵۵۵-۵۵۵۵

CHECKED-5008

مقالہ نگار:

محمد اصبہ احمد

استاد انشا:

دکتر نصیر احمد صدیقی

شعبہ فارسی

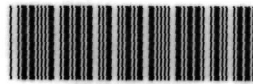
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۹۹۴ء



DS2648

DS-2648



DS2648

DS-2648





DEPARTMENT OF PERSIAN
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH 202 002 (INDIA)

Dated....1-12-94.....

TO WHOM IT MAY CONCERN

This dissertation entitled
'Introduction^{To} Tadhkira Hai Shō^ara-i-
Farsi Navishta Dar Hind Az Aghaz Ta Dō^ura-i-
Mubhammad Shah' by Mohd. Absar Ahmad has
been written under my supervision and^{is} fit
for submission for the degree of M.Phil in
Persian.

n a. Siddiqi
(Dr. Naseer Ahmad Siddiqi)
Supervisor

فہرست

- ۱۔ تعارف ۱ - ۲
- ۲۔ پیش گفتار ۲ - ۶
- ۳۔ مقدمہ ۴ - ۲۲
- ۴۔ باب اول — معروف تذکرے ۲۳ - ۲۰۱
- ۵۔ باب دوم — نودریافت تذکرے ۱۰۲ - ۱۰۵
- ۶۔ ضمیمہ اول
- ۱۰۶ - ۱۱۳
- ۷۔ ضمیمہ دوم
- ۱۱۲ - ۱۲۲
- ۸۔ کتابیات ۱۲۵ - ۱۳۰

تعارف

میں نے ۱۹۹۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے فارسی میں ایم۔ اے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تو زمانے کی روش اور ذاتی ذوق کی تسکین کے لئے ایم۔ فل کی ڈگری حاصل کرنے کی خواہش نے انگلستان لے آئی۔ اس معنا کی تکمیل کے لئے میں نے استاد گرامی ڈاکٹر نصیر احمد صدیقی سے رجوع کیا۔ جن کی علمی لیاقت اور ادبی ذوق سے میں ابتدائے طالب علمی سے ہی نہایت متاثر تھا۔ میں اپنے تمام حوصلوں کو سمیٹ کر ڈاکٹر موصوف کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنا مدعا پیش کیا۔ اپنی گوناگون مصروفیات کے باوجود وہ کمال شفقت سے نگرانی کے لئے تیار ہو گئے۔

میرے تحقیقی مقالے کا عنوان "تعارف تذکرہ" ہاں شعری فارسی نوشتہ درہند از آغاز تا دور محمد شاہ بادشاہ دہلی" مقرر ہوا۔ یہ موضوع دلچسپ بھی تھا اور میری خواہش کے بھی مطابق تھا۔

اگرچہ فارسی تذکروں سے متعلق بطور مجموعی بعض اچھے تعارفی کام ہو چکے ہیں لیکن بطور خاص محمد شاہی دور تک کے تذکروں کی طرف نگاہ نہیں کی گئی ہے۔ یہ بھی ہوا ہے کہ تذکروں کی حدوں کا بھی کما حقہ تعین نہیں کیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسی کتابیں بھی اسی ذیل میں شمار کر لی گئی ہیں جو فی الواقع تذکرہ نہیں ہیں۔ اس صورت حال نے خود تذکروں کے بارے میں غلط فہمیاں کوراء دے دی ہے۔ ایسی کتابوں کی شناخت ضروری تھی۔

اس مقالے میں عہد محمد شاہی تک کے تمام تذکروں کا تعارف زمانی ترتیب کے ساتھ کرایا گیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ تذکرہ نویسی کی حدوں میں مختلف انداز سے اضافے ہوتے رہے ہیں۔ تذکروں کے تعارف میں ان امور و نکات کی

خصوصیت کے ساتھ نشاندہی کی گئی ہے جو مذکورہ اضافوں کی ذیل میں آتے ہیں -

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ گلدستوں اور انتخابوں کی شناخت کر کے ان کو الگ کر دیا گیا ہے - اس کے لئے گلدستوں، انتخابوں اور تذکروں کے مابین جو بہت نازک مافرق ہے اس کی تعین اور وضاحت کی بھی کوشش کی گئی ہے - اس کوشش کی دقت اور افادیت کے بیان اور اظہار کی ضرورت نہیں ہے -

مقالے کا موضوع بادی النظر میں سہل اور آسان تھا لیکن جب کتابوں کی فراہمی اور تلافی کے لئے کتاب خانوں کی خاک جھانسی شروع کی تو کام کی دقتوں اور دشواریوں کا اندازہ ہوا - کبھی کبھی تو ایسے مقام بھی آئے جب حوصلہ جواب دینے لگا - ایسے مقاموں پر خصوصیت کے ساتھ استاد گرامی کی ہمت افزائی اور رہنمائی کام آئی اور بالآخر یہ مقالہ مکمل ہو گیا -

یہ مقالہ ایک طالب علم کی پہلی کوشش ہے جو وسائل اسے حاصل تھے اور اس ابتدائی منزل پر جو کچھ وہ کر سکتا تھا اس نے پوری دیانت اور ایمانداری کے ساتھ کیا ہے - اس مقالے کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ حقائق کو ان کی بحق امکان صحیح صورت میں پیش کر دیا جائے اور مطالب کی ادائیگی میں گنجشک نہ ہو - موضوع سے متعلق کوئی پہلو چھوٹے نہ پائے لیکن امکان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا - پھر اس طالب علم کے لئے کوئی وعدہ کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے - البتہ یہ اعتراف واجب ہے کہ استاد محترم ڈاکٹر نمبر احمد مدبقی کی اصلاحات بلاشبہ آہن کو آئینہ بنا کر چمکا سکتی ہیں - اس مقالے میں اگر کوئی خوبی ہے تو اسے ان اصلاحات ہی کا فیض خیال کیا جانا چاہئے - بی اے آنرز اور ایم - اے کی سطح پر بھی صدر شعبہ فارسی پروفیسر

ناہید صفوی صاحبہ کا بھی شاگرد ہونے کا مجھے شرف حاصل ہے۔ انھوں نے بھی میرے ایم۔ فل کے اس مقالے کی تیاری میں رہنمائی اور مدد کی ہے اور پروفیسر ایس ایم طارق حسن صاحب کا نام نوکِ قلم پر مجل رہا ہے جنھوں نے بہت سے مسائل کو حل کرنے میں مدد کی ہے۔

ڈی۔ ایس ڈبلو پروفیسر ایم۔ بی خان صاحب نے اس مقالے کے ٹائپ کرانے کے لئے گرانٹ منظور فرما کر میری حوصلہ افزائی کی۔ میں اپنے ان سبھی بزرگوں کا احسان مند ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ غایات کا سلسلہ جاری رہے گا۔

کہا جا چکا ہے کہ اس مقالے میں تذکروں کا تعارف زمانی ترتیب سے کرایا گیا ہے اس لئے ہر صدی کو ایک الگ باب کی حیثیت دی گئی ہے اور ایک صدی میں لکھے جانے والے تذکروں کو ایک باب میں جگہ دی گئی ہے۔ اس تقسیم کا فائدہ یہ ہے کہ دیکھنے والے کو یہ یک نظر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس صدی میں کتنے اور کون کون سے تذکرے لکھے گئے تھے۔ گویا ہر صدی میں تذکرہ نویسی کی رفتار ترقی بھی ہر باب کی ضخامت سے ظاہر ہے۔ آخر میں دو ضمیمے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ اول ضمیمہ گلدستوں کے ذکر پر مشتمل ہے اور دوم انتخابات سے متعلق ہے۔ عام طور سے مورخین نے ان گلدستوں اور انتخابات کو بھی تذکروں میں ہی شمار کر لیا ہے۔ اس مقالے میں اس عام خیال کی تصحیح کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اساتذہ کرام جن کا صاحبِ نظر اور نکتہ رس ہونا مسلم ہے طالب علم کی اس جرات بلکہ جسارت کی پذیرائی کریں گے۔ مقالے کے آخر میں ماخذ کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

ایم۔ الہام احمد

ایم۔ ابصار احمد

۲/۱۱/۷۲ - سرسید نگر

علی گڑھ

پیش گوئی

فارسی زبان کی تمدنی روایات صدیوں پرانی ہیں۔ تمدنی قدامت کے اعتبار سے دنیا کی کم زبانیں فارسی زبان کی ہم پلہ قرار دی جاسکتی ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی ان روایات میں پڑمردگی کے آثار نہیں ہوئے ہیں بلکہ ہر مرحلے پر ان میں شگفتگی اور تازگی اتنی رہی ہے۔

فارسی زبان و ادب کی تابناکی شعاعیں نہ صرف سرزمین ایران، ماورالنہر، افغانستان اور ہندوستان کو ہی منور کر رہی ہیں بلکہ اس کی شیرینی اور علمی ہمہ گیری نے پورے ایشیا بلکہ یورپ تک کو متاثر کر لیا ہے۔

ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کا آغاز غزنوی حکمرانوں کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہوا تھا۔ فارسی زبان و ادب نے ہندوستان کے معاشرتی، لسانی اور علمی حالات پر غیر معمولی اثر ڈالا۔ اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں فارسی شعروادب کو روشناس کرانے کا سہرا غزنوی ملاطین ہی کے سر ہے۔

غزنوی حکمرانوں کے بعد غور، خلجی، تغلق اور مغل وغیرہ مختلف خاندانوں کو اقتدار حاصل ہوا۔ بیرونی ممالک سے شعراء، علما اور فضلا ہندوستان جنت نشان میں آتے رہے ہیں کیونکہ یہاں کا علمی اور ادبی ماحول اور ملاطین و امرا کی داد و دہش ایران، توران، افغانستان وغیرہ ممالک کے اہل علم و فن کے لئے ہمیشہ پُرکشش ثابت ہوتی رہی ہے۔ ہندوستانی تہذیب و تمدن نیز زبان و افکار فارسی زبان و ادب کے ساتھ ترکیب و امتزاج کا سلسلہ شروع ہوا۔ یعنی اردو زبان کے لئے زمینہ تیار ہونے لگا۔ اس طور پر جو ذخیرہ علم و ادب کا وجود میں آیا اس کے طرز و انداز کو "سبکِ ہندی" کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

غزنوی دور سے لے کر مغلیہ سلطنت کے استحکام تک مختلف خاندانوں کے عروج و زوال کے باوجود فارسی زبان کی مقبولیت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہو سکا بلکہ یہ زبان ارتقا کی منزلین طے کرتی ہوئی دورِ مغلیہ میں بامِ عروج تک پہنچ گئی۔ علم و دانہ اور شعروادب کے اعتبار سے ہندوستان کا عہدِ مغلیہ "دورِ زرین" کہلانے کا مستحق ہے۔

فارسی نے ہندوستان میں اس حد تک رواج پایا کہ بالآخر یہی اس ملک کی زبان قرار پائی کیونکہ شاہانِ مغلیہ اپنی علم دوستی اور ادب پروری کے لئے ممتاز رہے ہیں اس کے برخلاف خود ایران میں افغانگری کا عالم رہا ہے اس لئے وہاں کے شعراء اور ادبا اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان آنے پر مجبور ہوتے رہے ہیں۔ خصوصاً اکبری دور کے بعد سے عالمگیر اورنگ زیب کے وقت تک یہ ملک فارسی زبان و علم کے گہوارہ اور مرکز کی حیثیت رکھتا رہا ہے۔

فطرت کے اصول کے مطابق کوئی چیز ہمیشہ یکساں نہیں رہتی ہے۔ ہر چیز جس کو عروج نصیب ہوتا ہے ایک دن زوال پذیر ہو کر رہتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں فارسی زبان و ادب بھی نقطہ عروج پر پہنچنے کے بعد بالآخر زوال کی طرف مایل ہوا۔ عالمگیر اورنگ زیب کے بعد زوال کی رفتار تند تیز ہوتی گئی۔ البتہ محمد شاہ بادشاہ کے وقت تک شاہی رعب داب باقی تھا اور شاہانِ ملف کی تمام عمدہ روایتیں موجود رہی ہیں۔ اس دورِ زوال میں بھی اہلِ علم و ادب ذوقِ میں بعض ایسے لوگ موجود تھے جو ناسازگار حالات کے باوجود نہ صرف فارسی زبان و ادب کے دامن سے وابستہ رہے بلکہ فارسی زبان و ادب کے چراغ کو روشن کیے رہے اور انہوں نے اس بنم کی ظاہری رونقوں پر حرف نہیں آنے دیا۔

محمد شاہ بادشاہ کو بوجہ بہت بدنام کیا گیا ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کم سنی میں اسے محبس سے نکال کر ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء

میں جب تختِ سلطنت پر بیٹھا دیا گیا تو اس نے زمامِ حکومت کو بزورِ شمشیر پوری طرح اپنی گرفت میں لانے میں اسے صرف دو برس لگے۔ اس نے ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۰ء میں ایک آزاد اور خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے خود اپنا جشنِ جلوس منایا اور اس کے بعد پورے عدل و اطمینان کے ساتھ فرمانروائی کی نادر شاہ کی آمد کے سوا جو نا عاقبت اندیشی امرا کی ایک انتہائی افسوس ناک سازش تھی اس بادشاہ کے طویل دورِ سلطنت میں مورخین نے اطرافِ ملک میں کسی جگہ کسی شورش یا ہنگامہ کا پتہ نہیں دیا ہے۔ مسلمان اور ہندو تمام ممالک اس کے مداح معلوم ہوئے ہیں لیکن اس کے بعد کوئی ایسا نہ ہوا جو سلطنت کے اقتدار اور وقار کو منبہال سکتا۔ فارسی زبان و ادب میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ترقی کا جو قدم آگے بڑھایا تھا اس کی اچانک وفات کے بعد وہ پھر آگے نہ بڑھ سکا۔ فارسی علم و دانش کی ترقیات کا یہ ایک دور تھا جو اس بادشاہ کی آنکھ بند ہونے کے بعد ختم ہو گیا۔

مقدمہ

”تذکرہ“ عربی لفظ ہے جو زمانہ حاضر میں کئی معنوں میں آتا ہے مثلاً بادداشت، سرگزشت، ذکر، دستاویز، سرٹیفکٹ، ریل یا جہاز کا ٹکٹ اور پاسپورٹ وغیرہ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ نصیحت اور بیان وغیرہ کے معنی میں آیا ہے۔ فارسی میں تذکرہ یاد آوردن، ہند دادن اور بادداشت وغیرہ کے معنی لئے جاتے ہیں۔ ان سبھی صورتوں میں جو بات کہی جائیگی اس سے جانبین کا کسی نہ کسی درجے میں پہلے سے متعارف ہونا ضروری ہے اور صرف بعض مخصوص پہلوؤں کا اظہار و بیان کیا جاتا ہے۔ اردو کے روزمرہ میں یہ لفظ کسی ایسے تذکرہ بیان کے لئے مروج ہے جو دو یا زائد لوگوں کے مابین ہو اور جس کے مالہ و ماعلیہ سے دونوں کم و بیش آشنا ہوں۔ اس بیان کا مربوط منظم، مدلل، محقق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس میں ذاتی خیالات اور اطلاعات، سنی سنائی باتیں بلکہ گپ شپ بھی شامل ہو سکتی ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ تذکرے کے نام سے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان میں یہ سب کچھ ہوتا ہے اور اس پر کسی کا اعتراض کرنا لفظ تذکرے کے اس مفہوم سے عدم واقفیت پر دلالت کرتا ہے۔

بیاض میں بھی بادداشتیں ہی نقل کی جاتی ہیں لیکن یہ چونکہ ذاتی اور شخصی استفادہ کے لئے ہوتی ہیں۔ ان میں عموماً صرف اشارے قلمبند کر لئے جاتے ہیں۔ گویا بیاضوں کا امتیازی وصف اختصار ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف تذکرے کی خوبیوں میں طول بیانی کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ خیال کہ تذکرہ بیاض کی ترقی یافتہ صورت ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اپنے مقصد کے لحاظ سے دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں کی افادیت بھی مختلف ہے۔

تذکرے ہوں یا بیاض ان کے اندراجات کسی بھی موضوع یا مضمون سے متعلق ہو سکتے ہیں مثلاً مجالس اور ادویہ وغیرہ سے متعلق بھی بیاضیں تیار کی

جانی ہیں اور بعض بیاضین شاعروں کے کلام پر مشتمل بھی ہوتی ہیں۔ اس طرح اطہا کے تذکرے بھی لکھے جانے ہیں اور تذکرے شاعروں کے بھی ہوتے ہیں لیکن بیاض اور تذکرے میں خواہ وہ کس بھی موضوع یا مضمون سے متعلق ہو ان صفات کا ہونا ضروری ہے جن میں بیاض اور تذکرہ تذکرہ بن جاتا ہے۔ ہمارے موضوع کا تعلق شاعروں کے تذکروں سے ہے اس لئے ہم اپنی بخون کو اپنے موضوع تک ہی محدود رکھیں گے۔

دولت شاہ سمرقندی کا تذکرۃ الشعرا (مولفہ ۸۹۲ھ / ۱۴۸۷ء) شعرائے فارس کا وہ پہلا دستیاب تذکرہ ہے۔ جس کے نام میں یہ لفظ اولین جزکی حیثیت سے شامل ہے۔ دولت شاہ نے اس لفظ کو بادگار اور باداوری کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

طاہر نصرآبادی نے اپنے تذکرہ شعرای فارس مولفہ ۹۲-۱۰۸۰ھ / ۱۲۲۹-۱۳۲۹ کو کس خاص نام سے موسوم کرنے کے بجائے مطلقاً تذکرہ کہا ہے اور دوسرے مقامات پر بھی اس روایت کو برقرار رکھ کر اپنے تصور کی پوری وضاحت کردی ہے۔ اس کے بعد تذکرے سے یہی اصطلاحی معنی مراد لئے جانے لگے۔

تذکرے کی تعریف میں صرف وہی کابین آتی ہیں جن میں شاعروں کے حالات اور ان کے کلام کے نمونے پیش کئے جائیں۔

تذکروں میں شاعروں کے حالات کا مربوط، مسلسل اور مدلل انداز سے لکھا جانا ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تذکرہ نویس کس شاعر کے بارے میں صرف اپنے خیالات اور تاثرات ہی قلمبند کر دینے پر اکتفا کرے کیونکہ تذکرے میں صرف تعارف کرا دینا کافی ہے اور تعارف کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان صورتوں کا تعلق تعارف کرانے والے کے مزاج اور جس کا تعارف کرایا جا رہا اس کے ساتھ تعلقات پر بھی منحصر ہو سکتا ہے۔

تذکروں کو تاریخ کی کتاب بھی خیال کرنا غلط ہے۔ تاریخ میں بیان کا مربوط و مسلسل ہونا ہی کافی نہیں ہونا بلکہ اس میں ارتقائی صورت بھی ظاہر ہونی چاہئے اور اس لحاظ سے تاریخ تذکرے سے نمایان طور پر مختلف ہوتی ہے اور تذکروں سے تاریخ کے تقاضوں کا مطالعہ کرنا بڑی بیجا بات ہے۔

ایک عام قاری کے نقطہ نظر سے تذکروں کو لطف اندوزی اور تفریح طبع کا ذریعہ خیال کیا جاسکتا ہے لیکن زبان و ادب کے ارتقا اور تاریخ کے مطالعے سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ان کی اہمیت و افادیت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

تذکروں نے ایسے بے شمار فنکاروں کو بے نام و نشان ہونے سے بچا لیا ہے جن کے کارنامے یا نوکسی وجہ سے مدون نہیں ہو سکے ہیں یا اگر مدون ہونے نہ تھے تو اب وہ نایاب ہو گئے ہیں۔

تذکرہ نویسوں نے شاعروں کے تعارف میں اکثر نہایت اختصار سے کام لیا ہے لیکن ان کی فراہم کردہ اطلاعات اختصار کے باوجود متعلق شاعروں کے حالاتِ زندگی، سیرت و شخصیت اور تخلیقی کاوشوں کے متعلق حصول معلومات کے لئے بنیادی اور اہم ترین مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تذکروں میں کبھی کبھی ایسی کتابوں کے حوالے اور اقتباسات بھی مل جاتے ہیں جو فنا ہو چکی ہیں اور کبھی تذکروں کے مطالعے سے کسی خاص شعر یا مکمل نظم کی تخلیق کا پس منظر بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ تذکروں سے ادبی رجحانات، زبان کی رفتار اور کیفیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ گویا تذکروں کی ایک عمرانی، تاریخی اور لسانی اہمیت بھی ہوتی ہے۔

فارسی کے بعض مشہور تذکروں مثلاً لباب الالباب اور ہفت اقلیم وغیرہ میں مختلف ممالک یا علاقوں کے شعراء کے لئے الی الگ ابواب مخصوص کئے ہیں۔

بعض تذکرہ نگاروں نے تاریخی اعتبار سے شعرا کی تقدیم و تاخیر یا شعری و لسانی روایات کے تدریجی ارتقا کو دکھانے ہوئے مقدمین، متوسطین اور متاخرین کے الگ الگ طبقات قائم کیے ہیں۔ اس قسم کے تذکروں میں تاریخی شعور کی جھلک کافی نمایاں ہے۔

کچھ تذکرہ نویسوں نے حروف تہجی کی ابجدی ترتیب کے مطابق شعرا کے حالات، ان کے نام یا تخلص کے حرف اول کی رعایت سے لکھے ہیں۔

بعض تذکرے جو کسی خاص نظم و ضبط کے پابند نہیں معلوم ہوتے ہیں ان میں مولف اپنی ذاتی پسند یا حالات و کلام کی دستیابی کے مطابق کوئی ترتیب قائم کر لیتا ہے۔

اردو اور فارسی کے تذکروں پر نظر کریں تو اندازہ ہوگا کہ تذکرہ نویس عموماً جوان یا نوجوان لوگ تھے اور ان میں سے بیشتر شاعر بھی تھے جوانی میں طبیعت اپنا زور اور جوش دکھانی ہے۔ همصرون پر سہقت لے جانے کا اور دوسروں کے مقابلے میں خود کو نمایاں کرنے کا شوق بھی از بھی ہوتا ہے چنانچہ اکثر تذکرہ نویسوں نے اپنے ذاتی حالات قلمبند کرنے کا اہتمام کیا ہے اور ان حالات کے بیان میں مبالغہ سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ شاعروں کے احوال اور کمالات کے بیان میں تذکرہ نویس اپنی سخن سنجی اور نکتہ شناسی کا بھی بسا اوقات خوبی سلیقگی کے ساتھ اظہار کرتا ہے۔ سادگی ہی بہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بظاہر عجز و انکسار کے ساتھ کسی شاعر کے حالات لکھتے ہوئے تذکرہ نویس خود اپنے علمی اکتسابات کو بھی نمایاں کرنے کی ضرورت نکال لیتا ہے۔

تذکرے تاریخ ، سوانح یا تنقید کی کتابیں نہیں ہیں اس لئے ان سے ان توقعات کا وابستہ کرنا جو تاریخ ، سوانح یا تنقید کے ساتھ مختص ہیں بیجا ہے ۔ ان کا مقصد پڑھنے والے سے محض مجملہ بعض شاعروں کا تعارف کرادینا ہوتا ہے اور لفظ " تذکرہ " خود بھی اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ اس کتاب میں کسی کا ذکر کیا جا رہا ہے اور ذکر عموماً مختصر ہوتا ہے ۔ مفصل تعارف نہیں ہوتا ہے اس لئے تذکروں کے اجمال اور اختصار سے کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ۔ تذکرہ نویس تو خود بھی کہتا ہے کہ

" دماغ تفصیل نہ دارم "

عام طور پر تذکروں میں تین باتیں پائی جاتی ہیں ۔

اول ۔ شاعر کے مختصر حالات زندگی اور اس کی شخصیت اور ماحول کا مجملہ تعارف ۔

دوم ۔ شاعر کے کلام کے بارے میں تذکرہ نویس کی رائے جو کبھی قطعی اور دو شک ہوئی ہے اور کبھی اجمال کی وجہ سے مبہم میں معلوم ہوتی ہے ۔

سوم ۔ شاعر کے کلام کا انتخاب جو تذکرہ نویس کے مخصوص نقطہ نظر کے مطابق ہوتا ہے ۔

تذکرہ نگار کے لئے کسی شاعر کے کلام کے تمام پہلوؤں اور گوشوں سے بحث کرنا ضروری نہیں ہوتا ۔ اس کے لئے تو صرف اپنے نقطہ نظر سے شاعر کے حالات ، شخصیت اور ماحول کا تعارف کر دینا کافی ہے ۔ اس تعارف کے ضمن میں اپنے بیان کی تائید کے لئے وہ شاعر کے کلام کا ایک انتخاب بھی درج کر دیتا ہے یعنی انتخاب تیار کرنا اسکے بنیادی مقاصد میں شامل نہیں ہوتا ہے ۔ اس کی حیثیت محض ضمنی اور ثانوی ہوتی ہے ۔

تذکرہ نویس شاعر کے کلام کے بارے میں رائے دینے ہوئے کبھی کبھی اس کے کسی شعر کی اصلاح بھی کر دیتا ہے اگرچہ اس اصلاح کے واسطے سے بھی وہ شاعر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سے پڑھنے والا خود تذکرہ نویس کی تنقیدی اور شعری صلاحیتوں کا اندازہ کر لیتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگار کو زبان و بیان اور اظہار مطالب پر کسی حد تک قدرت حاصل ہے۔

تذکروں کے مصنف مختلف زمانوں میں مختلف لوگ ہوتے ہیں۔ ان مصنفین کے رویہ اور معاملات میں نمایاں حد تک فرق پایا جاتا ہے۔ مصنفین کی شاعرانہ اور عالمانہ حیثیتوں پر نظر کر کے تذکروں کی تقسیم اس طرح کی جاسکتی ہے۔

(۱) وہ تذکرے جو خود کسی بڑے شاعر یا عالم کی کوشش کا نتیجہ ہیں ان میں عموماً سوانح سے زیادہ مذکورین کے کلام کے بارے میں رائے دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۲) وہ تذکرے جو شائقین کلام اور شاعروں کے مداحوں یا عالم شاعروں کے تصنیف کردہ ہیں ان میں عموماً عقیدت مندانہ انداز بیان ہوتا ہے اور تنبیہ کے طور پر مذکورین کے حالات و واقعات کے بیان پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

(۳) وہ تذکرے جن کے مصنفین نہ تو شاعر ہیں اور نہ شاعروں کے عقیدت مند اور شاگرد بلکہ صرف سخن فہم اور سخن منج ہیں ان کی تعداد کم ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی شاعر کے اصلی مرتبہ کو معلوم کرنے میں ان تذکروں سے بہت مدد ملتی ہے۔ ان میں زیادہ توجہ کلام کی قدر و قیمت کی تعبیر کی طرف ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کا خیال ہے —

”تذکرے لکھنے والے زیادہ تر اپنی دلچسپی اور ذوق کی تسکین کے لئے لکھتے تھے اس لئے ان کے اندر سختی سے کسی ایسی چیز کو تلاشی کرنا جوادبی اور فنی نقطہ نظر سے مکمل ہو مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ انفرادی اور شخصی حیثیت کے حاصل ہونے کے باوجود کس حد تک ان میں غیر شعوری طور پر وہ عناصر پیدا ہو گئے ہیں جن کو ادبی فنی یا تنقیدی اہمیت حاصل ہے۔“ (۱)

تمام تذکروں کو اگر تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر لیا جائے تو ایک نہایت مفصل تاریخ وجود میں آجائے گی۔ اس اعتبار سے اگر تذکروں کا مطالعہ کیا جائے اور ان میں مذکور اشخاص اور واقعات کے زمانے کا تعین ہو جائے تو ہر تذکرہ ایک اچھی تاریخ کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ تذکرہ اور تاریخ دونوں کا میدان اور مزاج مختلف ہے۔ تذکرے سے ان باتوں کا مطالعہ نہیں کیا جانا چاہئے جو تاریخ کے لوازمات میں ہیں۔

پہلوی زبان میں بزرجمہر سے منسوب ظفرنامہ کی موجودگی سے ایرانیوں کے یہاں زمانہ قدیم سے تاریخی شعور کے پائے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ کچھ مدت بعد ابوعلی محمد بن محمد بلخی (متوفی ۵۳۸۶ھ / ۱۱۹۶ء) نے تاریخ ”الامم والملوک“ کا ترجمہ کر کے علمائے ایران کی علم تاریخ سے دلچسپی کا مزید ثبوت پیش کر دیا ہے۔ اس قسم کی کتابوں سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ایرانی ماضی کی اپنی روایات کو فراموش نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تذکرے بزرگانِ سلف کے قصوں اور ان کے کارناموں کو زندہ باقی رکھنے کا بہترین ذریعہ ثابت

ہوسکتے تھے۔ اس ضرورت کا احساس اسوقت زیادہ ہوا جب اہل ایران اپنے وطن سے ہجرت کرکے ہندوستان میں پہنچے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان میں پہلی کتاب جو شاعروں کے تذکرے کی حیثیت سے دستیاب ہو سکی ہے ہندوستان ہی کی سرزمین پر ناصرالدین قباچہ والی اوجہ کے عہد میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کا نام لباب الالباب ہے اور اس کا مصنف نورالدین محمد عوفی ہے۔ وطن میں رہ کر وطن کی اہمیت اور قدرو قیمت کا احساس عموماً نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اس بات پر افسوس یا تعجب نہیں کیا جانا چاہئے کہ شعرائے فارسی کا اولین تذکرہ ایران کی سرزمین پر نہیں لکھا جاسکا تھا۔

لباب الالباب سے پہلے بھی بعض ایسی کتابیں لکھی گئی تھیں جن میں شعرو شاعری سے متعلق بعض واقعات کا بیان مل جاتا ہے لیکن ان کو تذکروں کے ذیل میں لانا مناسب نہیں ہے۔ ایسی کچھ کتابوں کا یہاں تعارف کرایا جاتا ہے۔

اول - مناقب الشعرا —

اس کتاب کا مصنف ابوطاھر خاتونی نامی ایک شخص بتایا گیا ہے۔ ناخال یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس کا وجود مشتبہ ہے بہر نوع اس کے بارے میں شوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی محض قرابین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مناقب الشعرا کا موضوع تذکرہ شعرو شاعری نہیں بلکہ کچھ اور ہوگا۔ واللہ اعلم۔

دوم - مجمع النوادر (چهارمقالہ) —

اس کتاب کو دولت شاہ سمرقندی نے ۵۵۱ھ / ۱۱۵۶ء میں تالیف کیا تھا۔ اس کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "نوادر" کا مجموعہ ہے فی الواقع

یہ کتاب چار ایسے مختلف مقالوں کا مجموعہ ہے جن میں شعرو سخن سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب فارسی شعروادب کے ایک قدیم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس اعتبار سے اس کی اہمیت مسلم ہے لیکن اس کو بھی تذکرہ کہنا مشکل ہے۔

سوم - راحت الصدور وآبۃ السرور

اس کتاب کا مصنف ابوبکر نجم الدین محمد بن علی راوندی ہے۔ یہ کتاب دراصل آل سلجوق کی تاریخ ہے جو ۶۰۳ھ / ۱۲۰۶ء میں لکھی گئی تھی۔ اس کے ایک باب کا عنوان "ذکر شاعران مداح آل سلجوق و شعرهای آنان" ہے۔ محض اس ایک باب کی وجہ سے پوری کتاب کو تذکرہ قرار دینا بیجا ہے البتہ اگر اس باب کو الگ کر لیا جائے تو یہ شک اس کو فارسی کے بعض شعرا سے متعلق ایک قدیم ماخذ کی حیثیت حاصل ہو جائیگی۔

کہتے ہیں کہ ابوبکر نجم الدین محمد بن علی راوندی نے طغرل بن ارسلان کی خواہش پر ایک مصور مجموعہ اشعار کی ترتیب و تالیف کا کام بھی شروع کیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ پہلے ہر شاعر کی تصویر تیار کی جائے پھر اس کی پشت پر اس کے منتخب اشعار اور کچھ لطیفے درج کئے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو نہایت وقیع اور قابل قدر ہوتی۔ اس کتاب کے وجود سے بھی اہل تحقیق بالکل نا آشنا ہیں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس قدیم زمانے میں کسی کتاب کی تالیف کے لئے ایسا منصوبہ بنا لینا بھی بڑی بات ہے۔

شعرائے فارسی کے جو تذکرے دستیاب ہیں یا ہمارے علم میں آسکے ہیں ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) عام تذکرے —

ایسے تذکرے جن میں فارسی شاعری کے آغاز سے لے کر ماضی تک کا ذکر کیا جائے یا بالفاظ دیگر جو شاعروں کی کسی جماعت یا طبقے کے ذکر کے ساتھ مخصوص نہ ہوں بیشتر تذکرے ایسے ہیں۔ چنانچہ بت خانہ، خزینہ گنج الہی، خلاصۃ الاشعار وزیدۃ الافکار، سفینہ خوشگو، عرفات الماشقین، مجمع النفایس، مرآۃ الخبال اور ید بیضا وغیرہ اس گروہ میں آتے ہیں۔

(۲) خاص تذکرے —

وہ تذکرے جو شاعروں کی کسی خاص جماعت یا طبقے کے احوال اور کلام پر مشتمل ہیں۔ اس گروہ میں وہ سب تذکرے آجائیں گے جو کسی خاص جزو زمان یا علاقے یا نسل یا طبقے کے شاعروں کے حالات میں لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ تذکرہ نصر آبادی، تذکرہ ہمیشہ بہار، کلمات الشعراء، مجالس النفایس، میخانہ، نفایس العائر وغیرہ اس قبیل سے ہیں۔

شعرائے فارسی کے سبھی تذکروں کے لکھے جانے کی غرض و غایت عموماً ایک ہی ہوتی ہے۔ ان میں زبان و بیان کا اسلوب تنقید کلام کا انداز اور تحسینی شعر کا لب و لہجہ بھی بطور مجموعی ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ بعض تذکرے کسی دوسرے تذکرے کے جواب کے طور پر یا اس کی تقلید و اتباع میں لکھے گئے ہیں۔ یہ بھی ہوا ہے کہ ایک تذکرہ نویس نے کسی دوسرے تذکرے کے مواد کو بہ ادنیٰ تغیر نقل کر لیا ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود یہ بڑی قابلِ لحاظ حقیقت ہے کہ ان تذکروں میں اکتا دینے والی یکسانی اور یک رنگی نہیں ہے۔ مولف کے شخصی مزاج اس کے مبلغ علم اس کے مخصوص اور منفرد اندازِ تحریر و بیان کے علاوہ شعرائے مذکور کے علاقے ماحول عہد وغیرہ کے امتزاج نے ان تذکروں میں انفرادیت کی شان پیدا کر دی ہے۔

تذکرہ نگاری شاعری کے بعد سب سے اہم اور سب سے زیادہ مقبول صنفِ ادب ہے۔ قدیم ادب میں سے جو کچھ ہمارے ہاتھ لگا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں دو چیزیں ہیں۔ اول شاعری دوم تذکرے۔ یہی تذکرے قدیم زمانے سے متعلق تاریخی سیاسی سماجی اور ادبی ہر قسم کی معلومات کے معتبر ترین واحد ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس زمانے کی شعری روایتوں اور شاعروں کے بارے میں جو بھی معلومات دستیاب ہو سکی ہیں وہ ان تذکروں کی حدوں سے آگے نہیں بڑھتی ہیں۔ غرض بے شمار خصوصیات ایسی ہیں جن کی وجہ سے تذکروں کی طرف ہماری توجہ مبذول ہوتی ہے اور ان کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بایں ہمہ بڑی افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ اب تک تذکروں کے ساتھ کا حقہ انصاف نہیں کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں جو کچھ کام ہوا ہے وہ سمندر میں قطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ تذکروں کی طرف سے اس بے اعتنائی کے لئے کوئی جواز نہیں ہے۔

کہا جا چکا ہے کہ تذکرے عموماً نوجوانوں یا جوانوں نے لکھے ہیں گویا یہ جوانوں کی محفلوں کے مرقعے ہیں۔ وہ جوان ہی کیا جسکی طبیعت میں جوش و امنگ نہ ہو جو گہنگی و فرسودگی سے بیزار نہ ہو جس کے عمل میں کسی نہ کسی درجے میں بے اعتدالی نہ ہو۔ تذکروں میں بھی یہ سب باتیں موجود ہوتی ہیں اور ان پر شدت کے ساتھ گرفت کرنا مناسب بات نہیں ہے۔

محمد عوفی نے شعرائے فارسی کا پہلا تذکرہ لکھا۔ اس تالیف کی افادیت کا اندازہ ہوتا تو ایران کے صاحبانِ علم نے بھی اس کی اتباع میں کئی تذکرے لکھے۔ ادھر ہندوستان میں جنگی سرکون اور ملکی فتوحات کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے معاملے میں تعطل کی سی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ آخر سلطان جلال الدین اکبر کے عہد میں ہندوستان میں مولانا محمد فخری ہروی نے روضۃ السلاطین

لکھ کر دوبارہ تذکرہ نویسی کے سلسلے کا آغاز کیا۔ اس تذکرے کا سالِ تالیف معلوم نہیں ہے ممکن ہے ۹۳۵ھ / ۵۲۹ء اور ۹۶۱ھ / ۵۵۴ء کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہو۔ یہ تذکرہ ان ملاطین کے ذکر پر مشتمل ہے جنہوں نے شاعری کے میدان میں اپنی طباعی کے جوہر دکھائے ہیں۔ سلطان جلال الدین اکبر کے عہد میں اس تذکرے کے بعد بزمِ آرای، جواہر العجایب، مجمع الفضا، نفایس العاثر اور ہفت اقلیم لکھے گئے تھے۔

شہنشاہ جہانگیر کے دور میں لکھا جانے والا پہلا تذکرہ خلاصۃ الشعرا یا بت خانہ ہے۔ اس کے بعد کے جن تذکروں کا حال معلوم ہو سکا ہے یہ ہیں خرابات، عرفات العاشقین، مجمع الشعرا، جہانگیری، میخانہ۔

شاہجہان بادشاہ کی دلچسپیاں مشہور و معروف ہیں۔ اس زمانے میں تصنیف و تالیف کے موضوعات بھی مختلف رہے ہیں مگر تذکرہ نگاری کے معاملے میں کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہیں ہو سکی۔ شاہجہان کے تیس سال دورِ فرمانروائی میں تا حال صرف دو تذکرے دستیاب ہو سکے ہیں یعنی خزینہ گنج الہی اور طبقات شاہجہانی۔

عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ حکومت میں بھی تذکرہ نگاری کی طرف بہت زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ اس زمانے کے جو تذکرے ہمارے علم میں آسکے ہیں وہ کلمات الشعراء، لطایف خیال اور مرآۃ الخیال ہیں۔

عالمگیر اورنگ زیب کے بعد تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے کئی بادشاہ ہوئے البتہ محمد شاہ بادشاہ نے دو سال کی مختصر سی مدت میں سید برادران سے نجات حاصل کر لی اور پھر نہایت اطمینان کے ساتھ ایک طویل مدت تک فرمانروائی

کی۔ اس میں شک نہیں کہ نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی بہت برباد ہوئی اور لال قلعہ کی رونق بھی ماند پڑ گئی لیکن بادشاہ نے جلدی ہی حالات پر پھر قابو پایا۔ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۸۸ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے حملہ کیا تو محمد شاہ بادشاہ نے اپنے ولیمہد کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ ولیمہد کو فتح حاصل ہوئی لیکن نواب قمرالدین خان وزیراعظم کی شہادت کی خبر سنکر بادشاہ نے انتقال کیا۔ پھر آصف جاہ نے بھی وفات پائی۔ نو عمر، ناپختہ کار ولیمہد مرزا احمد کے لئے اس سلطنت کو سنبھالنا ممکن نہ ہو سکا۔ جس کے اہم ترین ستون گر جکے تھے۔

محمد شاہ بادشاہ نے شاہان سلف کی یادوں کو تازہ کر دیا تھا۔ علمی قدر شناسیوں کے بہترین مظاہر اس بادشاہ کے سامنے آئے ہیں۔ اس زمانے کی علمی تصانیف کی اگر فہرست مرتب کی جائے تو اندازہ ہوگا کہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں علم و فنون ہی نے نہیں شعروادب نے بھی خوب فروغ پایا تھا۔ صرف فارسی ادبیات کی ترقی کا اندازہ ان تذکروں کے مطالعہ سے ہوتا ہے جو اس دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے تھے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستانی کے فارسی کے شاعروں اور ادیبوں کی تعداد ایرانیوں کے مقابلے میں زیادہ رہی ہے اور انہوں نے تصنیف، تالیف اور ترجمہ غرض ہر قسم کے کام کئے تھے۔ اور وہ بھی نہایت اعلیٰ درجے کے تھے۔

تذکرہ نویسی کے نقطہ نظر سے تو محمد شاہی دور کو زمانہ عروج کہا جاسکتا ہے۔ اس زمانے میں جو تذکرے لکھے گئے تھے ان کی تعداد ایک درجن سے بھی زیادہ ہے اور اتنی بڑی تعداد میں کسی دوسرے بادشاہ کے زمانے میں تذکرے نہیں لکھے گئے تھے۔ بات تعداد ہی کی نہیں ہے بلکہ اس زمانے میں لکھے جانے والے تذکرے فنی نقطہ نظر سے بھی تذکرہ نویسی کا ایک اعلیٰ ترین معیار پیش کرتے ہیں۔ محمد شاہی دور میں لکھے جانے والے تذکروں میں درج ذیل کونمايان حیثیت حاصل ہے۔

تذکرہ ندرت ، ریاضی الشعرا ، گلدستہ ، سفینہ بے خبر ، سفینہ خوشگو ،
منتخب الاشعار ، منتخب حاکم ، ہمیشہ بہار ، بد بیضا وغیرہ ۔

تذکروں کی کمزوریوں —

تذکروں کی اہمیت اور ان کی خوبیاں اپنی جگہ پر ہیں لیکن جدید دور
میں تحقیق کے جن اصولوں پر عمل کیا جا رہا ہے وہ جن اطلاعات کا تقاضا کرتے ہیں
وہ سب فارسی کے بیشتر تذکروں سے حاصل نہیں ہوتے ہیں ۔ اس لحاظ
سے ہمارے ناقدین نے تذکروں کی جن کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے وہ اس طرح
ہیں —

- ۱۔ تذکروں میں شاعروں کے سوانحی حالات اور واقعات عموماً بہت اختصار
سے لکھے ہوتے ہیں ۔ ساتھ ہی کلام کے انتخاب اکثر خاصے طویل ہوتے ہیں ۔
- ۲۔ سوانح اور شاعر کے انداز سخن کوئی کے بارے میں تقریباً سب نے ایک
ہی روش اختیار کی ہے ۔ تنقید کلام کے معاملے میں جدت اور ندرت کی کوئی خاص
صورت سامنے نہیں آتی ۔
- ۳۔ شاعروں کے حالات میں نہ ان کے سال پیدائش اور وفات کا بیان ہوتا
ہے اور نہ عمر اور عہد کا کوئی خاص خیال رکھا جاتا ہے ۔
- ۴۔ ایک شاعر کا شعر بر بنائے شہرت دوسرے شاعر سے یا بعض اشعار کوئی
شاعروں سے منسوب کر دیتے جاتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے ہمارے زمانے کے اہل
تحقیق کے لئے بڑے مسائل پیدا ہو گئے ہیں ۔
- ۵۔ اکثر تذکروں پر ایک دوسرے کی تقلید کا اثر نمایاں ہے جس کی وجہ سے
تازگی اور ندرت کا احساس کم ہو جاتا ہے ۔

۶۔ شعر کی خوبیوں کے بیان میں زیادہ تر صنائع لفظی اور معنوی کواہمیت دی جاتی رہی ہے اور دوسرے پہلوؤں کی طرف کم سے کم توجہ کی گئی ہے۔

۷۔ تذکروں میں اکثر دوستوں اور رفیقوں کی طرفداری کی جاتی ہے اور اپنے مخالفوں کے ذکر میں منفی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ تعریف و تنقیص کا انحصار ذاتی پسند و ناپسند پر ہونے کی وجہ سے عموماً جو رائیں دی جاتی ہیں قرین انصاف نہیں ہوتی ہیں اور ان پر لازماً اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ تنقیدوں کے لب و لہجہ پر عموماً اخلاقیات کا جوہی غالب رہتا ہے اور تعریف میں عموماً مبالغے سے کام لیا جاتا ہے۔ زندوں کو درازی عمر کی اور متوفیوں کے واسطے مغفرت کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ نیکہ دل تذکرہ نویس شاعروں اور ان کی شاعری کے دونوں پہلوؤں کی نشاندہی کرنے سے قاصر رہتے۔

۹۔ اکثر شعرا کے اسلوب اور سلیقہ شعر کے لئے مبہم الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن سے شاعر اور اس کے کلام کی واقعی حیثیت سامنے نہیں آتی ہے۔

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام اعتراض جدید تحقیق کے تقاضوں کی روشنی میں کئے جانے ہیں لیکن جن حالات اور جس زمانے میں تذکرے لکھے جا رہے تھے اس وقت ان میں سے بعض باتوں کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی اور کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو تذکرے کی حدود میں ہی نہیں آتی ہیں چنانچہ شروع میں یہ بات کہی جا چکی ہے۔ ایسی صورت میں اس قسم کے اعتراضوں سے تذکروں کی قدر و قیمت میں ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔ جن خامیوں پر ہمارے ناقدین گرفت کرتے ہیں اگر ان کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تذکروں میں شعرائے مذکورین کے علاوہ متعلق زمانے اور علاقے کے بارے میں بھی ایسی بیش بہا اطلاعات محفوظ ہوتی ہیں جو کسی دوسرے

مآخذ میں نہیں ملتے اور ان اطلاعات ہی کی وجہ سے تذکروں کی بنیادی حیثیت اور اہمیت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے ۔

فارسی میں ادبی سوانح نگاری کے ابتدائی نقویں بھی شاعروں کے تذکروں میں ہی ملتے ہیں اور شعرائے قدیم کی حیات ، سہرت اور شخصیت کے متعلق جتنی کتابیں یا مقالے لکھے گئے ہیں یا آئندہ لکھے جائیں گے ان سب کے سرچشمہ اور بنیادی مآخذ یہی تذکرے ہیں ۔

باب اول — معروف تذکرے

۱۔ لباب الالباب

تذکرہ لباب الالباب کا مولف عوفی مشہور صحافی حضرت عبدالرحمان بن عوف کی اولاد میں سے تھا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے کہ بن مدید الدین^(۱) کہ بن نورالدین^(۲) اور کہ بن جمال الدین^(۳) لکھا ہے۔ ڈاکٹر نظام الدین جوامع الحکایات کے مقدمہ میں تفصیلی بحث کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عوفی کا نام مدید الدین تھا^(۴)۔

عوفی نے جوامع الحکایات میں خود کو محمد بن محمد عوفی بخاری لکھا ہے۔^(۵) اس بنا پر یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس کا وطن اور شاید مولد بھی بخارا ہی رہا ہوگا۔ عوفی نے وہیں تسلیم پائی تھی پھر خراسان، سیستان اور خوارزم گیا۔ وہاں سے مغلوں کے ہنگاموں سے پریشان ہو کر ناصرالدین قباچہ کی خدمت میں پہنچا۔ سندھ کے مقام اوچہ میں ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء سے ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۷ء تک عوفی کا قیام ثابت ہے۔ اس دوران غالباً ۶۱۸ھ/ ۱۲۲۱ء میں اس نے ایک تذکرہ لباب الالباب کے نام سے قباچہ کے وزیر عین الملک فخرالدین حسین اشعری کی سرپرستی میں لکھا۔ جس زمانے میں التمش کے ہاتھوں قباچہ کو شکست ہوئی عوفی بھکر میں تھا۔ التمش کی فتح کے بعد عوفی اپنے ولی نعمت عین الملک اشعری کے ساتھ التمش کی خدمت میں حاضر ہو کر دہلی میں رہنے لگا۔ وہیں کوئی اڑسٹھ برس کی عمر پا کر ۶۲۰ھ/ ۱۲۲۲ء میں اس نے وفات پائی۔

(۱) مقدمہ جوامع الحکایات ص ۵-۲

(۲) مقدمہ منتخب جوامع الحکایات ص ب اور مقدمہ لباب الالباب جلد اول ص ب

(۳) مقدمہ لباب الالباب چاپ لیدن باہتمام محمد قزوینی ج ۲ ص ۲۰

(۴) تذکرہ نویس فارس ص ۶۰

(۵) ایضاً ص ۵۹

عوفی کی تصانیف جاربتائی گئی ہیں

(۱) تذکرہ لباب الالباب (۲) جوامع الحکایات (۳) ترجمہ کتاب الفرج بعد اشدہ اور (۴) مدایح السلطان -

لباب الالباب اور جوامع الحکایات میں عوفی نے اپنے اشعار بھی نقل کئے ہیں لیکن ان کتابوں سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اس نے اپنا کوئی دیوان مرتب کیا تھا یا نہیں -

عوفی کا تذکرہ لباب الالباب دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصہ میں ان بادشاہوں، وزیروں اور ظالموں کا ذکر ہے جنہوں نے کبھی کبھی شعر کہے تھے - اس حصہ میں ایک سو تیس افراد کا ذکر ملتا ہے - اس میں حسب تفصیل ذیل کل نکات ابواب ہیں -

- باب اول - در فضیلت شعر و شاعری
- باب دوم - در معنی شعرا و نظر لغت
- باب سوم - در معنی اول کسی کہ شعر گفت
- باب چہارم - در معنی اول کسی کہ شعر پارسی گفت
- باب پنجم - در لطایف اشعار ملوک کبار و سلاطین نامہار (کل ۲۷ لوگ)
- باب ششم - در لطایف اشعار وزرای عالی مرتبت (کل ۳۲ لوگ)
- باب ہفتم - در تذکرہ صدور و علما و فضلا (کل ۶۰ لوگ)

دوسرے حصہ میں ان شاعروں کا حال لکھا ہے کہ جن کا کام ہی شاعری تھا اس کی تفصیل اس طرح ہے -

- باب ہشتم - در تذکرہ شعرای عہد آل لیث و آل طاہر و آل سلیمان (کل ۲۸ شاعر)
- باب نہم - در تذکرہ شعرای آل ناصر (کل ۲۰+۹ شاعر)

باب دہم - در ذکر شعرای آل سلجوقی (کل ۲۸ ۱۲ ۷ ۱۰ ۱۹)

باب یازدہم - در ذکر شعرای کہ در این قرن بودہ اند بعد از عہد

معزی و سنجری (کل ۲۳ ۱۵ ۶ ۹ شاعر)

باب دوازدهم - در ذکر اشعار صلہ و روافض (۲ لوی)

اس باب میں کوئی سو شاعروں کے اشعار بھی درج کئے ہیں۔

مورخین نے تذکرہ لباب الالباب کے تین مخطوطوں کا ذکر کیا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ مولانا حسرت موہانی کے کتب خانے میں بھی اس کا کوئی

نسخہ موجود تھا جو ان کی دوسری کتابوں کی طرح کہیں ضایع ہو گیا۔ یہ

تذکرہ دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔

ظاہر ہے کہ مصنف نے اس تذکرے میں اپنی معلومات اور دلچسپی کے

مطابق شاعروں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ جوامع الحکایات کے مطالعے سے اندازہ

ہوتا ہے کہ عوفی کو واقعات کو قلمبند کرنے میں زیادہ دلچسپی تھی چنانچہ

اس تذکرے میں بھی اس نے یہی کیا ہے۔ شاعروں کی ولادت اور وفات کے سنیں

یا شاعروں کے القاب و کنیت وغیرہ کو لکھنے کا اس نے التزام نہیں کیا ہے۔

صرف بعض اہم لوگوں کی تاریخ وفات درج کی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ دیباچے میں عوفی نے اپنے مآخذ کی نشاندہی

نہیں کی ہے لیکن متن میں بعض کتابوں مثلاً تاریخ ناصری اور عرب نامہ وغیرہ

کا نام آگیا ہے۔ انہیں کو تذکرے کا مآخذ خیال کیا جاسکتا ہے۔ ایک اہم بات

یہ ہے کہ بعض روایات کے سلسلے میں عوفی نے راویوں کا نام لکھ دیا ہے۔

بعض ناقدوں نے لباب الالباب میں کچھ خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے مثلاً کہا ہے کہ عوفی کے لئے شاعروں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھنا ممکن تھا لیکن اس قسم کی باتیں بیجا ہیں۔ تنقیدی بحثیں کرتے وقت عوفی کے حالات اور زمانے پر نظر رکھنی ضروری تھی۔ جس افرا تفری کے عالم میں عوفی بسر کر رہا تھا ان میں رہ کر اس نے جو کچھ لکھ دیا وہ بھی بہت ہے اور وہ یقیناً ستائشی کے قابل ہے۔

عوفی پر یہ اعتراض بھی بیجا ہے کہ اس نے بعض کتابیں نہیں دیکھی تھیں اس کے زمانے میں کتابوں کی دستیابی تو خیر بہت ہی بڑی بات تھی کتابوں کے وجود کا علم حاصل کر لینا بھی آسان نہیں تھا۔

عوفی کے تذکرے سے اس کے زمانے کے شعری ماحول اور علمی مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ عموماً ایسے اشعار پسند کرتا ہے جن میں صنایع بدایع کا صرف کیا گیا ہو اور جو مشکل ردیف و قوافی میں کہے گئے ہوں۔ وہ عبارت آرائی کا دلدادہ تھا اور اس کا طرز تحریر عموماً مرصع ہے۔

اگرچہ لباب الالباب سے پہلے بھی بعض ایسی کتابیں لکھی جا چکی تھیں جن سے قدیم شاعروں کے کسی قدر حالات معلوم ہو جاتے ہیں لیکن وہ تذکرہ کی ذیل میں نہیں آتیں اس لئے نا حال عوفی کا تذکرہ لباب الالباب اپنی بہت سی خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود فارسی میں تذکرہ نویسی کی روایت کیلئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ مجلس النفاثین

یہ کتاب امیر علی شیرنوی کی ہے اس کی ولادت ۸۲۲ھ / ۱۴۲۰ء

میں ہوئی اور وفات ۹۰۶ھ / ۱۵۰۰ء میں -

یہ کتاب دراصل نوین صدی ہجری کے فاضلوں اور شاعروں کی فہرست

ہے۔ اس میں کم و بیش ۲۸۵ شاعروں کے حالات لکھے ہیں۔ یہ تذکرہ آٹھ

”مجلسون“ میں منقسم ہے اور اس کا متن ترکی زبان میں ہے۔ اس کا سال تالیف

۸۹۶ھ / ۱۴۹۰ء ہے۔ (۱)

۳۔ تحسّفہ مسامی

شاہ اسماعیل صفوی کے بیٹے ابوالنصر سام میرزا نے بقول عبدالعقندر کے ۹۵۷ھ/۵۵۰ء میں یہ تذکرہ لکھا تھا جو کہ ۹۲۳ھ/۵۱۷ء میں پیدا ہوا تھا اور ۹۸۳ھ/۵۷۶ء میں انتقال کیا۔ سام میرزا کے حالات عہد صفوی کی تاریخوں میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ احمد گلچین معانی نے مختلف ماخذ کے حوالے سے بیان کیا ہے (۱)۔

۹۷۵ھ/۵۶۷ء میں زبردست زلزلہ آیا اور عمارت کے گرنے سے سام میرزا اور دوسرے لوگ جو وہاں موجود تھے سب مر گئے۔ سام میرزا کا ایک بیٹا میر عارف اردبیلی شہنشاہ اکبر کے عہد میں آکرے میں رہتا تھا۔

سام میرزا نے اپنے اس تذکرے کو ایک مقدمہ اور سات صحیفوں پر تقسیم کیا ہے۔ جس میں سیاس و مذہبی اور علمی و ادبی احوال درج کئے ہیں۔ پہلا صحیفہ۔ حضرت صاحبقران اور ان کی اولاد اور معاصر سلاطین کے بیان میں ہے۔

دوسرا صحیفہ۔ ذکر سادات عظام و علمای افادت اعلام۔
تیسرا صحیفہ۔ ایسے واجب التعمیم حضرات کے ذکر میں جو شاعر تھے لیکن کبھی کوئی شعر کہہ دیا تھا۔

چوتھا صحیفہ۔ وزرای مکرم و ارباب قلم کے حالات میں۔
پانچواں صحیفہ۔ شاعران مقرر و فصحاى بلاغت گستر کے ذکر میں۔
چھٹا صحیفہ۔ طبقہ ترکان و شعراى مقرر ایشان کے احوال میں۔
ساتواں صحیفہ۔ در ذکر سایر عوام و اختتام کلام۔

اس تذکرہ کے مشمولات کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں چھ سو تینتیس اشخاص کے حالات مندرج ہیں ظاہر ہے کہ یہ تعداد بہت زیادہ ہے اور اس لحاظ سے اس تذکرے کی اہمیت بہت ہے۔

اس تذکرہ کا ایک قلعی نسخہ حبیب گنج کلبکشن مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے جس کی کتابت ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء میں ہوئی۔ اس تذکرہ کو مولوی اقبال حسین صاحب نے دارالفنون پٹنہ (دانشگاہ پٹنہ) سے تصحیح کے ساتھ شایع کیا۔ جس میں حواشی و مقدمہ انگریزی میں ہے اور ایک مقدمہ فارسی میں بھی ہے۔ (۱)

۲ - جواہر المجاہب / تذکرۃ النساء

یہ فارس گو شاعرات کا ایک مختصر تذکرہ ہے۔ اس کے مولف کا نام سلطان محمد بن امیری ہروی متخلص بہ فخری ہے۔ مولف نے تذکرے کے سبب تالیف میں لکھا ہے کہ

"دولت شاہ طہماسپ کے عہد میں میرا گزر سندھ کی طرف ہوا۔
اتفاق سے مجھے وہاں کچھ مدت تک قیام کرنا پڑا۔ اس زمانے
میں ملکہ ہند میں سلطان جلال الدین محمد اکبر تخت نشین ہوئے۔
میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔
آن کہ میگوید صدای طبل اودر گوش چوچ
نویت سلطان جلال الدین محمد اکبر امت
پھر خیال ہوا کہ کوئی چیز ان کی مجلس شریف میں "ہدیہ" کرنے
کے لائق بھی ہونی چاہئے۔ اتفاق سے کہ سات مہری کی ایک
غزل سامنے آئی۔

حل ہر نکتہ کہ برپیر خرد مشکل بود
آزمودیم بیک قطرہ می حاصل بود
دل نے کہا کہ "طایفہ اناث" کے منظومات کو جمع کرنا چاہئے
چنانچہ یہ مختصر تذکرہ تیار کیا اور اس کا نام جواہر المجاہب
مقرر کیا۔" (۱)

فخری نے کتاب کے آخر میں ماہم بیگم کی مدح میں ایک قصیدہ شامل کیا
تھا بعد میں اس نے دیباچہ میں کچھ تبدیلی کر کے اسے عیسٰی نرخان والی سندھ

۹۶۱ھ/۵۵۳ء تا ۹۷۲ھ/۵۶۶ء کے نام سے معنون کر دیا تھا۔ اس لئے اس کا سال تالیف ۶۳-۹۶۲ھ/۵۶-۵۵۵ء خیال کیا گیا ہے۔

یہ تذکرہ پہلی مرتبہ ۱۲۹۰ھ/۸۷۳ء میں ۲۳ صفحات پر چھپا تھا پھر حکیم شمس اللہ قادری نے مہ مہی اردو اورنگ آباد میں اپنے حواشی کے ساتھ چھاپ دیا تھا۔ ان میں ۲۵ شاعرات کا حال بھی مندرج ہے۔ (۱) لیکن نقوی کا کہنا ہے کہ اس میں کل ۲۳ شاعرات کا مذکور ہے۔ ان میں سے دو شاعرہ ترکی زبان کی ہیں گویا فارسی کی کل ۲۱ شاعرات کا حال اس میں درج ہے۔ (۲) لیکن سید عارف نوشاہی نے موزہ ملی پاکستان کراچی کے نسخے کے لئے لکھا ہے کہ یہ "دراحوال و نمونہ اشعار سی و یک تن زن مسخور فارسی" ہے اور اس کی کتابت گیارہویں صدی ہجری میں ہوئی تھی۔ (۳)

جواہرالمحایب کو شاعرات فارسی کا پہلا تذکرہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ خوب یہ بھی ہے کہ اس کی نشر سادہ اور روان ہے۔ اس تذکرے کے مندرجات کے بارے میں یہ اعتراف ضروری ہے کہ مولف شاعرات کے سال ولادت و وفات کے لکھنے کا التزام نہیں کر سکا ہے۔ اس کی زیادہ توجہ حکایات اور واقعات کو قلمبند کرنے کی طرف رہی ہے اور یہ کام اس نے بخوبی کیا ہے۔ بہر نوع شاعرات کے احوال اور اشعار جتنے اس تذکرے کے مولف نے قلمبند کر دیے ہیں وہی ہمارا سرمایہ ہے۔ بعد کے تذکرہ نویس انہیں کو نقل کرتے ارہے ہیں۔

(۱) گلچین ص ۲۱۹

(۲) نقوی ص ۹۹

(۳) موزہ ملی ص ۸۰۰ - کراچی

بعض لوگوں کو جواہرالعجائب کے طرز بیان میں "غلو" معلوم ہوا ہے لیکن یہ اعتراض بے جا ہے۔ ہر زمانے کی تہذیب اور بیان کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور ان کو بہر حال نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

اس تذکرے میں اشعار کے انتخاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں بعض اشعار مبتذل بھی ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن چونکہ متعلق شاعرات کا مزید کلام دستیاب نہیں ہے صحیح صورت حال کا قیاس کرنا مشکل ہے اور مولف کو الزام دینا مناسب نہیں ہے۔

یہ خیال بھی بہت صحیح نہیں ہے کہ مولف کے لئے شاعرات کے حالات کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھنا ممکن تھا کیونکہ مسلم معاشرے میں جہان پردے کا التزام ہوتا ہے شاعرات کے بارے میں معمولی معمولی باتوں کا علم حاصل کر لینا بھی آسان بات نہیں ہے۔

اس تذکرہ کو پیر حماد الدین راشدی نے تصحیح اور اپنے حواشی کے ساتھ ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں حیدرآباد سندھ سے چھپوا دیا ہے۔

۵ - نفایس العاثر

تذکرہ نفایس العاثر کا مولف میر علاء الدولہ قزوینی کامی نخلص ابن میر یحییٰ بن عبداللطیف السیفی الحسینی قزوینی تھا۔ جس زمانے میں ہمایون بادشاہ ہندوستان سے فرار ہو کر قزوین میں مقیم ہوئے میر یحییٰ سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ اس سے بات چیت کر کے نہایت خوش ہوئے۔ شروع میں یحییٰ شاہ طہماسپ صفوی کا مقرب تھا لیکن پھر حالات بدلے اور اس نے قید میں رہ کر وفات پائی۔

میر یحییٰ کا بیٹا علاء الدولہ شاہ طہماسپ صفوی کے خوف سے آذربائیجان میں مقیم تھا پھر ترک وطن کر کے ۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء میں ہندوستان آیا۔ یہاں اپنے بڑے بھائی سے تربیت پائی۔ کہتے ہیں کہ بچپن سے شعر کہتا تھا۔ قرآن پاک کی آیتیں اور حدیثیں خوب یاد تھیں بزرگوں اور صوفیوں کے نام اس نے اپنے تذکرے میں احترام سے لٹے ہیں۔ علاء الدولہ کے بارے میں بس اتنا معلوم ہے کہ منتخب التواریخ کی تالیف کے وقت (۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۵ء) یہ زندہ تھا۔

علاء الدولہ فن خطاطی میں بھی مہارت رکھتا تھا اور اس فن میں اس کی کتاب صحیفۃ الارقام یادگار ہے۔ ایک رسالہ "صنایع شعر" سے متعلق لکھا تھا بعض اور رسالے بھی اس کے نام سے موسوم ہیں۔

تذکرہ نفایس العاثر میں کوئی ساڑھے تین سو شاعروں کے حالات مندرج ہیں جو کہ بابر، ہمایون اور شہنشاہ اکبر کے زمانے میں موجود تھے اور مولف نے ان کے نخلص کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔ دیباچہ میں مولف نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس کا نام نفایس العاثر تاریخی ہے لیکن کتاب کے آخر میں جو قطعہ درج ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵-۶۶ء میں تالیف کا کام شروع ہوا تھا اور ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء میں یہ تذکرہ مکمل ہوا تھا لیکن اس میں مولف نے ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء تک اضافے کئے تھے۔ علاء الدولہ مزاجاً

سخت گیر نہیں تھا اس لئے اس نے کس کے کلام پر بھی سختی سے گرفت نہیں کی ہے -

تذکرہ مبین علاء الدولہ نے جن شعرا کا ذکر کیا ہے ان کے وطن سے متعلق جغرافیائی اور تاریخی معلومات بھی قلمبند کر دی ہیں اور اس لحاظ سے اس کا تذکرہ منفرد ہے۔ بیشتر شعراء سے مولف براہ راست واقفیت رکھتا تھا اس لئے اس کے بیانات عموماً قابل اعتبار و اعتماد ہیں -

تذکرہ کا آخری باب بابر، ہمایوں اور اکبر کے عہد کے تاریخی واقعات کے بیان پر مشتمل ہے۔ بیشتر واقعات یا تو خود مولف کے سامنے گزرے تھے یا اس نے ان لوگوں کی زبان سے سنے تھے جو ان واقعات کے دیکھنے والے تھے اس لئے یہ حصہ بہت اہم اور معتبر و مستند ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اپنی تاریخ "منتخب التواریخ" کی تیسری جلد میں بیشتر واقعات اسی تذکرے سے نقل کئے ہیں -

اس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی ہے جس کی کتابت ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۲ء میں ہوئی تھی۔ اس نسخہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس پر میر غلام علی آزاد بلگرامی کی مہر ثبت ہے -

۶ - خلاصۃ الاشعار وزیدۃ الافکار

اس تذکرے کا مولف تقی الدین محمد ابن شرف الدین علی الحمینی الکاشانی ۹۵۶ھ/۵۲۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ شاعری میں محتشم کاشی کا محبوب شاگرد تھا اور ذکری تخلص کرتا تھا۔ اگرچہ اس نے خود اپنا کلام اپنے تذکرے کے آخر میں شامل کیا ہے۔ بعد کے تذکرہ نویسوں نے شاعر کی حیثیت سے اس کے نام کو اپنے تذکروں میں جگہ نہیں دی ہے۔

اپنے تذکرے کے مقدمہ میں تقی الدین محمد کاشانی نے یہ ذکر کیا ہے کہ۔

"میں ایک مدت سے اکثر شعراے متقدم و متاخر کے دواوین سے ان کے اشعار کا انتخاب کر کے ان کے شرح کرتا رہا تھا اور اس طرح ۹۹۶ھ/۵۸۵ء میں یہ نسخہ تیار ہو گیا۔ میں نے اسے شاہ عباس بزرگ صفوی الحمینی کے نام سے معنون کیا۔" (۱)

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ ابتدا میں یہ تذکرہ مولف نے ۹۸۵ھ/۵۷۷ء میں چار جلدوں میں لکھا تھا پھر ۹۹۳ھ/۵۸۵ء میں اس کی پانچویں جلد مکمل تھی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً وہ اس میں اضافے کرتا رہا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں تقی الدین محمد کاشانی بیجاپور میں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے اپنے تذکرے میں معتدیہ اضافے کئے اور ۱۰۱۶ھ/۶۰۷ء میں اس کی مدح شامل کر کے اسے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے نام سے منسوب کر دیا تھا۔ اس کے بعد پھر اس نے مزید اضافے کی ضرورت

نہیں سمجھی لیکن گنجین کا خیال ہے کہ تقی الدین خود بیجاپور نہیں گیا تھا۔ "ظاہراً مولف خلاصۃ الاشعار نظام یا قسمی ---- ازونبعیت کردہ اند" (۱)

ظاہر ہے کہ یہ فارسی کے ساڑھے چھ سو سے زائد شاعروں کا تذکرہ ہونے کی وجہ سے فارسی گوین کے تمام تذکروں سے زیادہ مفصل اور ضخیم تر ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ —

"بنای این تالیف کہ موسوم ست بہ خلاصۃ الاشعار وزیدۃ
الافکار پر مقدمہ و چہار فصل و چہار رکن و خاتمہ اتفاق
افتاد۔" (۲)

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے —

مقدمہ میں سبب جمع اشعار و موجب انتخاب دواہین اور بیان عشق و محبت ہے اور یہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں نظم و نثر اور ان کی اقسام کا منظوم بیان بھی شامل ہے۔

رکن اول - اس میں آل سہکتگین کے عہد تک کے شعراء مقدمین کا حال ان کی وفات کے زمانے کی ترتیب سے لکھا ہے۔ یہ حصہ دو جلدوں پر منقسم ہے پہلی جلد خاقانی پر ختم ہوتی ہے اور اس میں بائیس شاعروں کا ذکر ہے۔ دوسری جلد افضل الدین کا شانی تک اٹھائیس شاعروں کے حال میں ہے۔

رکن دوم - یا تیسری جلد بھی "بہ ترتیب تاریخ فوت شان" ہے اور شاہ شجاع کرمانی تک چالیس سے زائد شاعروں کے ذکر پر محیط ہے۔ مولف نے اس رکن کو شاہ عباس بزرگ صفوی کے نام سے معنون کیا ہے۔

(۱) گنجین جلد اول ص ۵۴۴

(۲) نقوی ص ۱۲۵

رکن سوم یا چوتھی جلد میں جالبس سے زاید متاخرین شعرا کا حال لکھا ہے یہ جلد مولانا فنای کے ذکر پر ختم ہوئی ہے۔
رکن چہارم یا پانچویں جلد میں مولانا غزالی مشہدی تک سے زاید ان شاعروں کا حال لکھا ہے جو زمانہ تالیف تذکرہ تک ہوئے ہیں۔

مولف نے ان پانچ جلدوں کی تکمیل کی تاریخ اس طرح کہی ہے ع
بر پنج کتاب نقی افزودم پنج

$$۹۸۸ + ۵ = ۹۹۳$$

تذکرے کے آخر میں دو "خاتمہ" ہیں پہلا خاتمہ چار سو سے زاید شعراے
عصر و زمان تالیف ابن نسخہ کے ذکر پر مشتمل ہے۔ یہ خاتمہ دراصل دو فصل
اور گیارہ اصل پر منقسم ہے۔

دوسرا خاتمہ جو نظر ثانی میں لکھا ہے ساٹھ ہمعصر شاعروں کے ذکر پر
محیط ہے۔ اس میں شاعروں کے تخلصوں کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب
دیا ہے۔ اس خاتمہ کے آخر میں مولف نے یہ بھی لکھا ہے —
" یہ کتاب ۱۰۱۶ھ / ۶۰۷ء میں مکمل ہوئی۔ میں نے تذکرہ
نگاری سے ہاتھ روک لیا اور اس کے بعد کسی شاعر کے ذکر
اور اشعار کا اضافہ نہیں کیا ہے۔" (۱)
اوپر کی سطور میں شاعروں کی تعداد کے مطابق ہے۔ دوسرے
ماخذ میں تعداد میں فرق پایا جاتا ہے۔ (۲)
اس تذکرے میں کہیں کہیں مولف نے اشعار کی شرح بھی لکھی ہے اور
بعض شاعروں کے ذکر میں ان کی شرکے نمونے بھی نقل کئے ہیں۔

(۱) نقوی ص ۱۲۹

(۲) گجین ص ۵۳۸ پر اس تذکرے کے اجزا میں مذکورہ شاعروں کی تعداد مختلف

بنائی گئی ہے۔

چونکہ مولف نے ایک مدت تک اضافہ اور ترمیم کے سلسلے کو جاری رکھا اسے واقعات کی تلاش و تحقیق کا موقع مل گیا۔ اس کے تذکرے میں جو اطلاعات مندرجہ ذیل ہیں بیشتر اہم اور قابلِ اعتماد ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مولف نے مآخذ کی حیثیت سے کتابوں کے نام خواہ مخواہ نقل نہیں کئے ہیں۔

مولف کا طرزِ مادہ اور سریع الفہم ہے کہیں کہیں عبارت مصنوعی بھی ہوگی ہے لیکن بہر حال بے مزا نہیں ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ حبیب گنج کلکشن علیگزہ میں موجود ہے جس میں تقی الدین کی پیدائش کا سال ۹۲۶ھ / ۵۳۹ء لکھا ہے اور ۱۰۱۶ھ / ۶۰۷ء تک زندہ تھا۔ (۱)

۷۔ مجمع الفضلا

اس تذکرہ کے مولف کا نام محمد عارف بقای یا خواجہ^(۱) عارف بقای تھا۔ خود اس کا کہنا ہے کہ "میں بخارا میں پیدا ہوا تھا۔ شاعری میں ملا مشفق بخارای کا شاگرد رہا اور مشغول تخلص کرتا تھا۔ پھر ماورالنہر میں جاکر سلاطین ازبک کا ملازم ہو گیا۔" (۲) ۵۵۹ھ / ۵۷۱ء میں ہندوستان میں آکر کچھ مدت اڑیسہ اور بنگال میں رہا پھر آگرہ چلا آیا۔ یہاں اس نے اپنے حالات "عارف الآثار" کے نام سے لکھے پھر دکن گیا۔ وہاں عبدالرحیم خان خانان کی خدمت میں رسائی حاصل کی۔ ایک مدت تک ملک قس کے ساتھ رہا۔ پھر گجرات جاکر میرزا نظام الدین احمد کے ساتھ رہا اور ان کے کہنے سے بقای تخلص اختیار کیا۔

کچھ مدت کے بعد خان خانان کی ملازمت چھوڑ کر بقای آگرے چلا گیا اس کے بعد اس نے تذکرہ مجمع الفضلا تالیف کیا۔

تذکرہ مجمع الفضلا کے مقدمے میں بقای نے جو وضاحت کی ہے یہ ہے کہ "یہ کتاب اس نے ۹۹۶ھ / ۵۸۷ء میں شروع کر کے ۱۰۰۰ھ / ۵۹۱ء میں قصبہ وزیر پور سوگارا آگرہ میں مکمل کی تھی۔" (۳)

مولف نے اس کتاب کو نواب ابوالفتح سلطان اسفندیار بن سلطان خسرو بن سلطان یار محمد بن سلطان جانی بیگ کے نام سے منسوب کیا ہے۔ افسوس

(۱) مآثر رحیمی ج ۳ خانہ حصہ دوم در احوال شعرا ص ۹۵

(۲) رضا نقوی ص ۱۰۹

(۳) ایضاً ص ۱۱۰

ہے کہ سلطان اسفندیار کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی - نقوی کا قیاس ہے کہ وہ بخارا یا نواح ماوراء النہر کا حاکم رہا ہوگا -

یہ کتاب ایک مقدمہ تین فرقوں اور ایک خانہ پر منقسم ہے اور ہر فرقہ میں شاعروں کا ذکر زمانی ترتیب سے کیا گیا ہے - مقدمہ میں حمد و نعت اور منقبت صحابہ اور حضرت امام حسینؑ کے بعد مختصراً فصحاً عرب کا ذکر ہے - کل اس میں چار سو سے زائد شاعروں کا ذکر ہے -

فرقہ اول میں ایک سو تیس شاعروں کا ذکر ہے اور یہ ذکر رودکی سے شروع ہوتا ہے -

فرقہ دوم میں ایک سو بیس شاعروں کا حال لکھا ہے جو مولانا نور الدین جامی سے شروع ہو کر سعدی کے ذکر پر ختم ہوتا ہے -

فرقہ سوم میں بیان ہے "احوال و مقامات اکابر کہ الیوم بوستان خرد بہ زور فضل و بلاغت ایشان اراستہ" - اس میں کل ایک سو چالیس شاعروں کا حال لکھا ہے -

خانہ میں ان "مجانین و دیوانگان و ہزال و مسخرہ ہا و اہل ضبط و طلبہ" کا ذکر ہے جو فوائد علمی سے بے بہرہ ہونے میں لیکن ان کے لطائف اور نقلین مشہور ہیں -

اس تذکرے کے مولف کا طرز تحریر سادہ ہے لیکن مقدمہ میں اور ان مقاموں پر جہان وہ شاعروں کی ستائش کرتا ہے - اس کی نثر مصنوعی ہو جاتی ہے اور بعض شاعروں کے نام کے ساتھ تو متعدد توصیفی کلمات لانا ہے - اس تذکرے کا واحد نسخہ دانشگاہ لاہور میں موجود ہے لیکن وہ بھی ناقص الاخر ہے - یہ تذکرہ ہنوز طبع نہیں ہو سکا ہے - اس تذکرے کے بیشتر شعرا ایرانی ہیں -

۸۔ بزم آرای

تذکرہ بزم آرائی کا مصنف سید علی بن محمود الحسینی ہے جو عبدالرحیم خان خانان ابن بیرم خان کے متوسلین میں سے تھا اس نے اپنے تذکرے کو ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء میں مکمل کر کے اپنے ولی نعمت عبدالرحیم خان خانان کے نام سے معنون کیا تھا۔

تذکرہ بزم آرائی ایک مقدمہ ، گزشتہ ابواب اور ایک خانہ پر مشتمل ہے۔
ابواب کے مباحث اس طرح ہیں —

- ۱۔ شرکے حسن کے بیان میں
- ۲۔ شرکے معنی کے بیان میں
- ۳۔ شاعری کے آغاز کے بیان میں
- ۴۔ فارس میں سب سے پہلے کس نے شعر کہا۔
- ۵۔ ان بادشاہوں کے حالات میں جنہوں نے شعر کہے ہیں۔ یہ بیان مسلمانوں کے عہد سے سلطان سنجر اور اس کے معاصرین کے ذکر پر مشتمل ہے۔
- ۶۔ ان وزیروں ، امیروں اور مختلف سرداروں کے ذکر میں جنہوں نے شعر کہے ہیں اس جزمین ابوالقاسم احمد سے ابو سعید ابوالخیر تک کا حال اور کلام لکھا ہے۔
- ۷۔ اس باب میں مسلمانوں دور سے سلطان محمود کے عہد تک کے شاعروں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ اس حصہ میں تاریخی ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس کو رودکی ، کمالی ، ابوالحسن شہید بلخی ، غصیری ، عسجدی ، فرخی ، اسدی اور فردوسی وغیرہ کے ذکر سے شروع کر کے شاہ طہماسپ کے معاصر شاعر قاسم کے حالات پر ختم کیا ہے۔

اس تذکرہ کا نہایت جاندار اور اہم دوسرا حصہ ہے جسے مصنف نے "خانہ" کہا ہے۔ اس میں سلطان جلال الدین اکبر کے عہد کے امرا، فضلا اور شعرا کا حال اور کلام درج کیا ہے جن سے وہ ذاتی طور پر واقف تھا۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے مبسوط "مقدمہ" لکھا ہے اس میں پہلے اپنے مری عبدالرحیم خان خانان پھر سلطان وقت شہنشاہ اکبر کی ستایش کی ہے۔ ان کے بعد سلطان ابراہیم بن بہرام صفوی اور حاکم گیلان خان احمد جو زیادہ تفصیل سے ہے کی توصیف قلمبند کی ہے آخر میں رمزی اصفہانی، ملا جی وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس تذکرے کے بارے میں علامہ میرزا محمد خان قزوینی نے لکھا ہے —

"میں نے بزم آرائی کو لندن برٹش میوزیم میں دیکھا جو کہ ۱۰۰۰ ہجری میں تالیف ہوا ہے اور تقریباً تمام متن لباب الالباب عوفی کے کم و بیش جیسا ہے۔" (۱)

حیرت اس پر ہے کہ اس تذکرے میں بیشتر مطالب حتیٰ کہ دیباچہ اور مقدمہ بھی بے کم و کاست لباب الالباب سے ہیں مصنف نے اپنے ماخذ میں صرف تذکرہ دولت شاہ اور تذکرہ سلام مرزا کا ذکر کیا ہے اور لباب الالباب کا نام نہیں لیا ہے بہر نوع اس تذکرے کی تاریخی اہمیت بہت ہے۔

۹۔ تذکرہ الشعراء

میر ابوالبقای تغرش سے بھی شاعروں کا ایک تذکرہ منسوب ہے۔
احمد گلچین معانی نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے —

” بندہ ہم در کتاب خانہ های خصوصی سراغ نہ دارم۔

انچہ مسلم است اینست کہ میر ابوالبقا تا ۱۰۰۰ھ

مدنهای مدید به جمع وتالیف آن اشتغال داشته

است ” (۱)

۱۰۔ ہفت اقلیم

تذکرہ ہفت اقلیم کے مولف کے حالات معلوم ہونے کا واحد ذریعہ خود یہی تذکرہ ہے۔ اس کا نام امین احمد رازی تھا اور اس کا مولد و منشا شہر ریہ تھا۔ (۱) اکبر بادشاہ کے دور حکومت میں ہندوستان آیا۔ مولف کے والد خواجہ میرزا احمد بادشاہ وقت شاہ طہماسپ کے ندیون میں سے تھے۔ اس کے دوسرے اعزا بھی شاہی منصبداروں میں ممتاز تھے۔ امین نے اپنا تذکرہ ہندوستان میں رہکر تالیف کیا تھا۔ اس تذکرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مقامات سے مولف بہت اچھی طرح واقف تھا۔

مولف (۲) نے اپنا تذکرہ ہفت اقلیم ۹۹۶ - ۱۰۰۲ھ / ۱۵۸۸ - ۱۵۹۳ء

میں تالیف کیا تھا چنانچہ خود کہتا ہے —

گراز تو سوال تاریخ کند

تصنیف امین احمد رازی گو

پروفیسر براون نے کلمہ "گو" کے ۲۶ عدد بھی شمار کر لئے ہیں جو صحیح نہیں ہے مولف نے سبب تالیف میں لکھا ہے۔

"مولف ہمیشہ اپنا وقت، احوال، ابرار اور اخبار الاخبار کی تحقیق

میں صرف کرتا رہا ہے۔۔۔۔۔ بعض دوستوں کی خاطر سے بہ

طے کیا کہ نظم و نثر کا ایک تذکرہ تا زمان حال لکھ ڈالوں۔

۔۔۔۔۔ چھ برسوں کی مدت میں اشعار اور حکایات و آثار پر

مشتمل یہ کتاب تیار ہو گئی۔" (۳)

(۱) ہفت اقلیم بمبئی ص ۱۰۲

(۲) رضا نقوی ص ۱۱۴

(۳) ایضاً ص ۱۱۴

مولف نے کتاب کے مباحث میں تین درجن سے زائد کتابوں کے نام لئے ہیں جن سے اس کی تالیف میں اس نے مدد لی تھی۔

تذکرہ ہفت اقلیم مختلف مقامات کے جغرافیای اور تواریخی حالات پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۵۶۰ ایسے شعراء، عرفاء، فضلا اور ملاطین و امرا کے حالات تحریر کئے گئے ہیں جنہوں نے شعر کہے تھے۔ مولف نے ربع مسکون کو قدیمی عقیدے کے مطابق سات اقلیموں میں تقسیم کیا ہے۔ اقلیم دوم میں اس نے ملاطین دکن کی تاریخ زمانہ قدیم سے ۹۹۹ھ / ۵۹۰ء تک لکھی ہے اور احمد نگر، دولت آباد، گولکنڈہ، احمد آباد، سورت، بنگال، اڑیسہ اور کوج کا ذکر کیا ہے اور اقلیم سوم میں قندھار، غزنین وغیرہ کے علاوہ لاہور اور دہلی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی میں زمانہ قدیم سے اکبر کے عہد تک کی ہندوستان کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ اس طرح یہ کتاب جغرافیہ اور تاریخ ہی کے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ شعراء اور فضلا کے حالات کے لئے بھی قابل قدر مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ خصوصاً سلطان جلال الدین اکبر کے عہد کے واقعات کے لئے تو بہت مفید ہے۔

مولف نے اکثر پُر تکلف نثر لکھنے کی کوشش کی ہے۔ کہیں کہیں نوثر مسجع بھی لکھی ہے۔ شاعروں کے نام اور نخلص کے ساتھ اکثر کلمات توصیفی بھی لکھے ہیں۔

اس کتاب کے کئی نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ نسخہ بمبئی کی ابتدا میں مولف کا یہ جملہ قابل توجہ ہے —

”چون ماحصل این تذکرہ ذکر ہفت اقلیم است ہر آئینہ
این نسخہ را موسوم بہ ہفت اقلیم گردانید۔“ (۱)

اور نسخہ کراچی امین کے تعارف میں سید عارف نوشا ہی نے لکھا ہے۔
" ہفت اقلیم از امین احمد رازی در مدت ۹۹۶-۱۰۰۲ھ /
۱۵۸۷-۵۹۳ء نگاشته است حاوی مطالب تاریخی و
جغرافیائی و ذکر بلاد ہفت اقلیم با احوال ۱۵۶۰ تن شاعر
و عارف و دانشمند و امیر و بادشاہ - " (۱)

یہ کتاب کلکتہ اور نہران سے چھپ چکی ہے اور اس کے انتخابات کے
ترجمے بھی فرانسیسی انگریزی وغیرہ زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں ۔

اس کا ایک قلمی نسخہ حبیب گنج کلکشن علیگڑھ میں موجود ہے۔
جس کی کتابت ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں ہوئی اس کی ابتدا اس شعر سے کی
ہے۔

خرد ہر کجا گنجیے آرد پدید
بنام خدا ملز ان را کلید

۱۱۔ تذکرۃ الشعراء

قاضی احمد بن میر منشی نے تذکرہ گلستانِ نہرمین، محمد یوسف والہ نے تاریخِ خلد برین مین اور اسکندر بیگ منشی نے عالم آرائے عباسی مین اس تذکرے کا ذکر کیا ہے۔ قاضی احمد کا کہنا ہے کہ کتاب کا ایک طویل اقتباس احمد گلچین معانی نے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے —

”میر احمد الدین محمد ابن میرزا شرف جہان ثرونی مولانا مالک کا شاگرد تھا۔ موسیقی مین بہت مہارت رکھتا تھا۔ اس شخص نے ”تہمت برفقیر نمودہ“ اور محض جھوٹ یہ دعو کیا کہ پینتالیس برس پہلے اس کے والد نے کوئی تذکرہ لکھا جو میرے پاس ہے۔ آخر مبالغہ ہوا اور اس کے ایک مہینہ کے بعد ربیع الاول ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء مین وہ مرگیا۔ بہرِ نوع اس نے جو ناتمام مسودہ چھوڑا تھا اس مین سے سات شعر نقل کئے گئے۔“ (۱)

اس اختصار سے اس تذکرہ کی حقیقت ظاہر ہے۔ اس تذکرہ مین دولت شاہ کے تذکرے کا اسلوب نمایان ہے۔ اور ہر شاعر کے ساتھ اس کے ملاطین کے زمانے کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ بت خانہ / خلاصۃ الشعرا

اس تذکرے کی تکمیل دو مختلف لوگوں کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس کی ابتدا ملا محمد صوفی نے کی تھی جو آمل میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی میں سہرو سیاحت کا شوق ہوا۔ عراق میں پہنچکر اہل تصوف و عرفان کے درمیان رہا اور انہیں کے رنگ میں رنگ گیا۔ اسی حال میں اس نے شاعری شروع کی۔ وہ جہان جانا تھا صوفی مذہب اور قلند مشرب لوگوں کا جمگھٹا ہو جاتا تھا۔ اکثر اس کے مرید و معتقد ہو گئے تھے لیکن کچھ لوگ اس کی آزاد مزاجی کی وجہ سے اس کے مخالف بھی ہو گئے تھے۔ بعض نے اسے بد اعتقادی اور الحاد سے بھی متہم کیا تھا۔

ملا محمد صوفی اکبر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آیا اور احمد آباد، گجرات میں جا کر سکونت پذیر ہو گیا۔ وہاں وہ اپنا ملارا وقت کھانداری، کتابت اور انتخابِ شعر وغیرہ میں صرف کرتا تھا۔ فقیرانہ بسر کرتا تھا اور اس میں غرور و نخوت بالکل نہ تھا۔ آخر عمر میں جہانگیر نے اس کو طلب کیا چنانچہ وہ سرہند جاتے ہوئے راستہ میں یہ رباعی کہہ کر مر گیا (۱)

ای شاہ نہ تخت و نہ نگین می ماند * از بہر تنویک دو گز زمین می ماند
صندوق خود و گاسہ درویشان را * خالی کن و ہر کن کہ ہمیں می ماند
سال وفات میں اختلاف ہے خوشگو کا کہنا ہے کہ ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء میں فوت ہوا (۲)
بھی زیادہ قرین قیاس ہے اور اس مصرع سے اسکی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ع
بجز دانہ یکی شد بحق عمد صوفی (۳۵-۵۱)

(۱) رضا نقوی ص ۱۳۹

(۲) ایضاً

ملا محمد صوفی نے ۱۰۱۰ھ / ۶۰۱ء میں قدماء کے کوئی پینتالیس ہزار شعروں کا ایک انتخاب بنخانہ کے نام سے تیار کیا تھا۔ مولف میخانہ کا کہنا ہے کہ یہ انتخاب ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل تھا (۱) اسی انتخاب کو عبداللطیف عباسی گجراتی نے تذکرہ کی صورت ۱۰۲۱ھ میں عطا کی اور اس کا نام خلاصۃ الشعراء رکھا یہ جہانگیر کے عہد کا پہلا تذکرہ ہے (۲)

عبداللطیف گجرات میں پیدا ہوا تھا اور ۱۰۱۰ھ / ۶۰۱ء میں جب مولانا محمد صوفی مازندانی نے بت خانہ کو مکمل کیا تھا یہ احمد آباد میں موجود تھا۔ ابتدا میں عبداللطیف لشکر خان کا وقایع نگار تھا۔ پھر شاہجہان بادشاہ کی ملازمت اختیار کر کے گولکنڈہ گیا۔ وہاں کارہائے نمایان انجام دے کر اپنے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کی۔ عقبت خان کا خطاب، ہزار پیادہ اور چار سو سواروں کی شکری کی سرداری سے عزت پائی لیکن بیماریوں کی وجہ سے مجبور رہا اور غالباً ۲۹-۱۰۲۸ھ / ۳۹-۶۳۸ء میں فوت ہوا۔

عبداللطیف نے کئی کتابیں تصنیف و تالیف کی تھیں مثلاً انشائے عبداللطیف، شرح مثنوی مولانا ربوی، لطایف اللغات یا فرهنگ لغات مثنوی ربوی، شرح حدیقہ سنای وغیرہ۔

خلاصۃ الشعراء کے مقدمہ میں عبداللطیف نے لکھا ہے کہ "مولانا محمد صوفی نے میرزا حسن بیگ خاکی وزیر کی خواہش سے بت خانہ کے نام سے ایک مجموعہ ۱۰۱۰ھ / ۶۰۱ء میں تیار کیا تھا جس میں چھتیس دواویں کے انتخاب کے علاوہ نئے مختلف شاعروں کا کلام بھی جمع کیا تھا۔۔۔۔۔ اب بندہ عبداللطیف

(۱) میخانہ ص ۲۷۸

(۲) مقدمہ خلاصۃ الشعراء بحوالہ میخانہ حاشیہ ص ۲۷۹

بن عبداللہ عباس نے کہ جسے ^{اس} طرف یقینی کی خدمت میں رسائی حاصل رہی ہے شہر احمد آباد گجرات میں کہ جو اس کا وطن ہے اس کتاب کے زمانہ تالیف وغیرہ سے متعلق تفصیلات قلمبند کیں پھر شاعروں کے حالات بھی مختصراً اس طرح لکھ دیئے کہ انہوں نے کب انتقال کیا اور وہ کس بادشاہ کے عہد میں تھے اور "موافق طبقات سعد فلک" یعنی سات طبقوں میں تقسیم کر کے اس کا نام "خلاصۃ الشعراء" مقرر کیا۔ شاعروں کی ترتیب ان کے سال وفات کے مطابق رکھی ہے۔ جس کا سال وفات معلوم نہ ہو سکا ان کے زمانے کا قیاس ان کے مدوحین اور معاصرین کے زمانے وفات سے کیا ہے۔" (۱)

شروع میں ان چھتیس شاعروں کا ذکر ہے جن کے دواوین سے ملا محمد صوفی نے استفادہ کیا تھا۔ اس کے بعد ان نویں شاعروں کا کلام اور احوال درج کیا ہے جن کے دواوین ملا کو دستیاب نہیں ہوئے تھے اور جو بقول عبداللطیف "غریب و نامعروف" تھے۔ اس دوسرے حصے کا مآخذ بطور مجموعی تذکرہ دولت شاہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ خود مولف یعنی عبداللطیف نے اپنے مآخذ میں تاریخ بیہقی، تاریخ فیروز شاہی، طبقات ناصری اور اکبرنامہ جیسے معتبر و مستند اٹھارہ کتابوں کے نام لئے ہیں۔

شاعروں کے حالات اگرچہ اختصاراً لکھے ہیں لیکن اکبرایں مفید اطلاعات بھی قلمبند کردی ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملتیں۔ مولف نے واقعات کی تحقیق کی بھی کوشش کی ہے اور باوجود یہ کہ بعض مقاموں پر اس سے غلطی ہوئی ہے اس کی یہ کوشش نہایت مستحسن ہے۔

۱۳ - تذکرہ خسراوات

مولف نے اس تذکرے میں نہ اپنا نام لکھا ہے اور نہ اپنے بارے میں کوئی اطلاع قلمبند کی ہے۔ البتہ ضعفاً جو اشارے کردئے ہیں یہ ہیں -

- ۱- مولف خان احمد میرزا حاکم گیلان کا ارادتمند اور غالباً اس کا منوسل تھا۔
- مولف نے میر ابوالبقای تفرشی سے ملاقات کی ہے اور اس کے تذکرے کو دیکھا ہے۔
- ۲- مولف نے بچپن میں ہرات میں خواجہ حسن ثنائی سے ملاقات کی تھی۔
- ۳- بعض شاعروں کے ترجمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء سے ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء کے درمیان ہندوستان میں تھا۔
- ۴- وہ محرم ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء میں برہانپور میں تھا۔ ان نکات کی روشنی میں تذکرہ کی تالیف کا کام ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء میں شروع ہوا اور ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء میں بھی کام کا سلسلہ جاری تھا (۱) لیکن پرفیسر محمد شفیع ایڈیٹر اورینٹل کالج میگزین لاہور ایک مضمون میں برٹش میوزیم کے نسخہ کا حوالہ دیتے لکھتے ہیں کہ یہ تذکرہ حسن بن لطف اللہ طہرانی نے حسن بیگ شاملو کی تحریک پر مرتب کیا ہے اور بظاہر اسکی تکمیل ۱۰۲۰ھ / ۱۶۳۰ء میں ہوئی ہے۔ (۲)

اس کی ابتدا جامی کی غزلوں سے اور اختتام مولانا زمانہ کے ذکر پر ہوتا ہے۔ اس میں ۲۹۱ شاعروں کا حال بہ ترتیب حروف تہجی مذکور ہے۔ البتہ شاعروں کا تعارف عموماً صرف ادھی یا ایک سطر میں لکھا ہے۔

(۱) تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاک ص ۱۶۳

(۲) شعرائے اردو کے تذکرے حنیف نقوی ص ۷۸

اس تذکرے کا طرز تحریر عموماً سادہ ہے لیکن کہیں کہیں نثر پر تکلف ہے۔ بعض مقاموں پر نثر مسجع بھی لکھی ہے خصوصاً اہل شیرازی کا ترجمہ نثر مسجع میں لکھا ہے۔

مولف نے ہم عصر شعرا کے بارے میں بعض مفید اطلاعات قلمبند کی ہیں اور گیارہویں صدی کے آغاز کے بعض ایسے شاعروں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے دوسرے بیشتر تذکرے خالی ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جن کی مولف سے ملاقات رہی ہے اسلئے اس کے بیانات قابل اعتماد ہیں۔

اس تذکرے کا صرف ایک ہی نسخہ تہران میں ہے جو بہ گمان غالباً خود مولف کا مسودہ ہے چنانچہ اس میں ترمیم و اصلاح بھی کی گئی ہے۔ (۱)

گلچین کا خیال ہے کہ یہ تذکرہ دو جلدوں میں رہا ہوگا اور موجودہ نسخہ اس کی پہلی جلد ہے۔ (۲) کیونکہ اول الذکر نسخہ کی ابتدا تتمہ غزلیات جامی سے ہوتی ہے جبکہ دوسرا نسخہ رودکی سے شروع ہو کر خواجہ یوسف جامی کے ذکر پر ختم ہوتا ہے۔ اس تذکرے کا ذکر کسی دوسری کتاب میں دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند - جلد ۲ فارسی ادب (دوم)

مدبر خصوصی میرزا مقبول بیگ بدخشاں سنجاہ یونیورسٹی لاہور

ص ۶۰۱

(۲) گلچین ص ۶۴

۱۲ - خیسرا البیان

ملک شاہ حسین غیاث سیستانی اپنے زمانے کے موقر امرا میں سے تھا ۔
حج بیت اللہ شریف سے شرفیاب تھا ۔ اقسام سخن پر قادر تھا ۔

اس نے ایک تذکرہ بھی لکھا تھا اس تذکرے کے بارے میں احمد گلچین معانی
نے بتایا ہے کہ یہ ایک مقدمہ دو فصل ایک خانہ اور ایک ختم خانہ پر
مشتمل ہے (۱)

مقدمہ میں پیغمبر اسلام صلعم سے بارہ اماموں تک کے حالات اور صفویوں
کی تاریخ ہے ۔

فصل اول - میں شعرائے قدیم کا ذکر ہے ۔

فصل دوم میں احوال شعرائے جدید ہے ۔

خانہ میں درباری شاعروں کا حال لکھا ہے ۔

ختم خانہ میں علما کا ذکر ہے ۔

اور ہر حصہ کی ترتیب بہ اعتبار حروف تہجی ہے ۔ تذکرے کی تکمیل کی تاریخ اس
شعر میں بیان ہوئی ہے ۔

تاریخی ز انعامش دل آسود

کہ از ہجرت ہزار و شانزدہ بود

یعنی ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء میں یہ تذکرہ مکمل ہوا تھا ۔ مولف نے ۲۶-۱۰۲۵ھ /

۱۶۲۵-۲۶ میں اس پر نظر ثانی کر کے اغلافے کیے تھے اور پھر شاہ عباس کی خدمت

میں اسے پیش کیا تھا ۔

۱۵ - عرفات الماشقین

یہ نقی الدین محمد الحسینی الاوحدی الافاقی البلیانی ثم الصفہانی منخلص بہ نقی کا مشہور تذکرہ ہے۔ اس کے والد کا نام معین الدین محمد بن سعد الدین محمد الاوحدی الحسینی تھا اور اس کا سلسلہ نسب سات واسطوں سے شیخ المشایخ اوحد الدین عبداللہ الفارسی البلیانی تک اور مزید چند واسطوں سے شیخ ابوعلی دقاق اور پھر امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔

بلیان اس مولف کے بزرگوں کا مسکن تھا جو فارس کا ایک قصبہ ہے اور خود اس کے قول کے مطابق اس کے اجداد صاحب علم و فضل اور صاحب خرقہ و سجادہ تھے۔ (۱)

مولف (۲) نے خود اپنی ولادت کا سال ذیل کے شعر میں نظم کیا ہے۔

ز آنکہ تاریخ سال مولودم

طلب شاہ نعمت اللہ است

یعنی یہ ۳ محرم ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء کو اصفہان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والد کا انتقال بہت جلد ہو گیا تھا چنانچہ خود نقی نے ان کو بالکل نہیں دیکھا تھا تذکرہ مخزن الغرائب کی روایت اس کے برخلاف ہے اس لئے قابل قبول نہیں معلوم ہوتی۔ مولف نے بارہویں سال میں قدم رکھا تو اس کی والدہ نے بھی وفات پائی۔ والدین کی شفقتوں سے محروم ہو جانے کے سبب سے اس کی تعلیم و تربیت میں بھی دشواریاں پیدا ہوئیں۔ بہرہ ختم قرآن کے بعد اس نے صرف ونحو، منطق اور ریاض کی تعلیم حاصل کی پھر حکمت و اخلاق کی تحصیل میں مصروف ہو گیا۔

(۱) رضا نقوی ص ۱۵۱

(۲) ایضاً ص ۱۵۲

شاعری کا ذوق فطری تھا چنانچہ نو برس کی عمر میں اس نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا لیکن چونکہ طبیعت شعر گوئی کو منع کرتی تھی اس طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ سولہ برس کی عمر میں تصوف کی طرف مائل ہوا اور گوشہ نشین عزت ہو گیا۔

بیس برس کی عمر میں سلطان محمد خدا بندہ صفوی کے لشکر میں ملازم ہو گیا۔ یہ ضرورت مختلف مقاموں مثلاً اصفہان، شیراز، کاشان، قم وغیرہ میں رہنا پڑا تھا اس صورت حال نے اس کے تجربے اور علم میں خاص وسعت پیدا کر دی تھی۔ پھر شاہ عباس صفوی کی فوج میں نوکر ہو گیا۔

رجب ۱۰۰۵ھ / ۵۹۶ء میں مولف اپنے دوستوں کے ساتھ ہندوستان آیا۔ راستے میں اکبر بادشاہ کی وفات اور جہانگیر کے جلوس کی خبر سنی۔ کوئی ڈیڑھ برس لاہور میں رہا پھر جہانگیر کے لشکر کے ساتھ آگرے پہنچا۔ وہاں سے گجرات گیا حج کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کر سکا آخر آگرے آگیا اور یہیں کتاب عرفات العاشقین انتالیس برس کی عمر میں تالیف کی پھر احمد آباد گجرات جاکر ایک کتاب "کعبہ عرفان" کے نام سے ترتیب دی۔

نقی الدین کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ وہ ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء میں زندہ تھا غالباً ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد کے اس کے حالات کس طرح معلوم نہ ہو سکے۔ مولف کی شرو و نظم میں تصانیف کی تعداد دو درجن سے زائد بتائی گئی ہیں۔ ان پر نظر کرین تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسے تذکرہ نویسی سے بہت دلچسپی تھی۔

نقی اوحدی نے کتاب عرفات العاشقین لکھنے کا سلسلہ آگرے میں ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء میں شروع کیا اور وہیں ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں تکمیل کو پہنچا دیا تھا۔

چنانچہ خود کہتا ہے (۱)۔

ہر کہ تاریخ جوید فی گویم
بدو سال این نوی تمام شدہ
تعجب ہے کہ مصرع ثانی سے ۱۰۲۰ کے عدد برآمد ہونے ہیں ۔

اس تذکرے میں نین ہزار ایک سو پچانوے شاعروں کے تخلص یا ناموں کو الفبائی کی ترتیب سے قلمبند کیا ہے اس میں مذکور شاعروں کی تعداد نین ہزار دو سو بتائی گئی ہے۔ اور ہر حرف کے تحت مذکور ہونے والے شاعروں کو ایک جز قرار دیا ہے اور اس کے لئے "عرصہ" کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ تذکرہ اثنا بیس "عرصہ" پر مشتمل ہے۔ ہر عرصہ نین غرقہ پر مشتمل ہے۔ عرصہ میں مقدمین اور دوسرے میں متوسطین اور تیسرے عرصہ میں متاخرین یعنی جدید شعراء کے حالات درج کئے ہیں۔

مولف کا کہنا ہے کہ اس نے شاعروں کے دواوین سے "حتی المقدور اشعار صوفیانہ و عاشقانہ" کو انتخاب کر کے اس تذکرے میں نقل کیا ہے (۲) اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ حالات کے قلمبند کرنے میں اس نے تعصب اور جانبداری سے بالکل کام نہیں لیا ہے اور اس اعتبار سے یہ تذکرہ بہت قابل قدر ہے۔ بعض شعروں میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں ان کی مولف نے شرح بھی لکھ دی ہے۔ شاعروں کے حالات عموماً مفصل لکھے ہیں لیکن اکثر کا سال ولادت اور وفات نہیں لکھا ہے اور بعض کی تعریف و توصیف میں مبالغہ بھی کیا ہے لیکن اس مبالغہ سے مقصود بجز عبارت آرائی کے کچھ نہیں ہے۔ بطور مجموعی طرز تحریر مصنوعی اور پرنکلف ہے بلکہ مصنوعی نثر لکھنے میں مولف نے سعی بلیغ کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسکی تعریفیں اکثر مطلق اعتبار ہو گئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ پوری کتاب میں اس نے کسی ایک شخص کی بھی مذمت و تحقیر نہیں کی ہے۔ ایک دلچسپ

(۱) رضی نقوی ص ۱۵۶

(۲) ایضاً ص ۱۵۸

بات یہ بھی ہے کہ اس نے حسب موقع شاعروں کے ذکر میں پسندیدہ حکایتیں اور قصے بھی نقل کئے ہیں ۔

مطالب میں جامعیت اور تفصیل کے لحاظ سے کوئی بھی تذکرہ عرفات الماشقین کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن اس تذکرہ میں غیر ضروری لفاظی اور مبالغہ آرائی کی بہتات ہے اور اس صورت حال نے تذکرہ کی افادیت کو خاصا نقصان پہنچایا ہے ۔ اگر بے معنی عبارت آرائی کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کو فارس کا جامع ترین اور بہترین تذکرہ ماننا پڑیگا ۔

والہ داغستانی نے اگرچہ اس تذکرے میں "مزخرفات بسیار" کے درج ہونے کی شکایت کی ہے اور اس کے اکثر بیانون پر سخت نکتہ جینی بھی کی ہے لیکن اس کے تذکرے کے تقریباً تمام مطالب عرفات الماشقین ہی سے ماخوذ ہیں ۔

غیر معمولی ضخامت کی وجہ سے یہ تذکرہ بہت جلد کمباب ہو گیا تھا ۔ آزاد اور آرزو وغیرہ نے بھی اس تذکرے کے جو نسخے دیکھے تھے وہ نامکمل تھے ۔ اس تذکرے کے چار مخطوطے حیدرآباد، پٹنہ وغیرہ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں ۔ پٹنہ کا قلمی نسخہ بہ ظاہر مکمل ^{معلوم} ہوتا ہے لیکن اس میں بھی بعض حصے غالباً موجود نہیں ہیں اور تاحال یہ تذکرہ طبع نہیں ہوا ہے ۔

اس کا ایک قلمی نسخہ حبیب کنج کلکشن علی گڑھ میں موجود ہے ۔

۱۶۔ تاریخ جہانگیری

تاریخ جہانگیری کے مصنف کا نام تو نہیں معلوم البتہ اس کا تخلص مطریں تھا اور وہ سمرقند کا رہنے والا تھا۔ وہیں ۹۶۶ھ / ۵۵۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ کچھ مدت تک جہانگیر کے دربار میں رہنے کے بعد ۱۰۳۷ھ / ۶۲۷ء میں وہ بلخ چلا گیا تھا۔ اس کے بعد کس زمانے میں اسکا انتقال ہوا ہوگا۔ مطریں نے تاریخ جہانگیری ۱۰۲۲ھ / ۶۱۲ء میں اڑسٹھ برس کی عمر میں لکھنی شروع کی تھی اور دو برس کی مدت میں ۱۰۳۶ھ / ۶۱۶ء میں اس نے اسے مکمل کر لیا تھا۔ (۱) کتاب کا نام اگرچہ تاریخ جہانگیری ہے لیکن یہ شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کے عہد کے شاعروں کے حالات پر مشتمل ہے اس میں مشمولات کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

سلسلہ اول - ملاطین چغتای اور ان کے زمانے میں شہرت پانے والے شاعروں کے بیان میں ہے۔

سلسلہ دوم - ملاطین ازبک اور ان کے عہد میں نام پانے والے شاعروں کے ذکر میں ہے۔ مولف نے اس سلسلے کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

خاتمہ - کتاب کی تکمیل کے بعد مولف نے خاتمہ میں شہنشاہ جہانگیر کی ملازمت کے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ ضمناً بعض شاعروں کے حالات بھی لکھ دیئے ہیں۔

چونکہ اس کتاب میں جن شاعروں کے حالات لکھے ہیں بیشتر سے مولف کی ذاتی طور پر ملاقات رہی ہے۔ اس نے خود اپنی ذاتی معلومات پر اعتماد کیا ہے دوسری کتابوں سے نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اس لئے یہ کتاب زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

(۱) شعرائے اردو کے تذکرے ص ۸۰ (میں اس تذکرے کی ابتدا ۱۰۱۵ھ / ۶۱۶ء

۱۰۳۶ھ / ۶۲۷ء میں خاتمہ کا آغاز لکھا ہے)۔

۱۷ - مجمع الشعراء جہانگیری

کتاب کے مولف کا نام تو معلوم نہیں البتہ اس کا تخلص قاطمی تھا اور اس کے مرشد یا استاد کا نام مولانا قاسم تھا - کتاب میں جو فہرست دی ہے اس کا عنوان اس طرح مندرج ہے —

” فہرست اسلامی شعرا کہ در این دفتر ثالث تذکرۃ الشعراء ابرار
نمودہ شد در موج و مذاکرہ حضرت خلافت پناہ ظل اللہ نور الدین
محمد جہانگیر بادشاہ عادل - “ (۱)

اس سے ظاہر ہے کہ قاطمی نے کوئی ضخیم کتاب لکھی تھی اور یہ تذکرہ اس ضخیم کتاب کا تیسرا دفتر ہے -

اس تذکرے میں شاعروں کے ذکر میں کوئی ترتیب معلوم نہیں ہوتی اور اس پر ترتیب کی وجہ مولف نے اس طرح بیان کی ہے —

” تقدیم و تاخیر در این مجمع الشعراء جہانگیری در اسلامی واقع شدہ
باشد بی وجوہ نخواہد بود یا از رہگذر سیادت یا از رہگذر منصب
بادشاہی و عزت آن و یا تاخیر الزمان یا تاخیر جامعیت - ہر جا تقدیم
و تاخیر شدہ باشد شرف المکان بالمعین است - ہر اہل عرفان معلوم
و ہودا است اگر سہو کاتب یا سہوی کہ لازمہ پیری است واضع
شدہ باشد بذیل عفو و مرحمت خواہند پوشید و اصلاح خواہند
فرمود - “ (۲)

(۱) تذکرہ نویسی فارسی علی رضا نقوی ص ۱۸۸

(۲) ایضاً ص ۱۸۸

اس سے دو امور واضح ہوتے ہیں -

اول یہ کہ یہ کتاب مولف نے بڑھاپے کے زمانے میں تالیف کی تھی اور اسے یہ احساس تھا کہ عمر کے تقاضے سے اس سے سہو کا ہوجانا ممکن تھا -

دوم مولف سلطان جہانگیر کے دربار اور اہل دربار سے بخوبی واقف تھا - وہ ہر شاعر کے منصب اور مرتبے کو اچھی طرح جانتا تھا چنانچہ شاعروں کے ذکر میں اس نے اس صورت حال کو بنیاد بنایا تھا - ظاہر ہے کہ ترتیب کا یہ انداز نیا تھا اور کچھ شک نہیں کہ اسکی اہمیت بھی تھی -

اس تذکرے میں عہد جہانگیری کے ایک سواکیاؤں ایسے شاعروں کا حال قلمبند کیا گیا ہے جو بادشاہ کے مداح تھے - مولف کو چونکہ بادشاہ کے مداحوں کا تذکرہ لکھنا مقصود تھا اس نے ایسے کلام کو جمع کرنے پر محنت کی ہے جو اسکے لئے مفید طلب تھا البتہ خود شاعروں کے احوال کو تفصیل سے قلمبند کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی ہے - اس تذکرے میں بادشاہ کی ذات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لئے ہر مطلب کے خاتمہ کے بعد بادشاہ کے لئے دعا کی گئی ہے جو کلمہ "الہی" سے شروع ہوتی ہے -

اس تذکرہ کا ایک نسخہ آزاد لائبریری علیگڑھ میں ہے اور وہ ناقص الآخر ہے - یہ تذکرہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے - یہ تذکرہ غالباً ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء میں لکھا گیا -

۱۸۔ خسزنہ گنج الہی

(۲) - اس تذکرے کا مولف (۱) میر عمار الدین محمود بن میر حجت اللہ اسد آبادی ہمدانی تھا جو الہی تخلص کرتا تھا۔ یہ اسد آباد کا رہنے والا تھا جو ہمدان کے توابع میں ہے۔ ایک مدت تک شیراز میں رہ کر کسب کمال کیا پھر عراق گیا۔ ایک دو برس اصفہان میں بھی رہا۔ آخر ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء میں ہندوستان میں آیا اور آگرے میں مقیم رہ کر مہابت خان کا ملازم ہوا۔ طب میں مہارت حاصل تھی جسکی وجہ سے اس کو مسیح الزمان کا لقب ملا۔ یہیں تقی الدین اوحدی نے اس سے ملاقات کی تھی۔ اوحدی کا کہنا ہے کہ

”الحق جوانیمت درغایت دقت طبع وادراک علی کمال شوخی

فطرت و صفای خاطر دارد۔“ (۳)

وہ زمانہ تھا جب الہی کی شاعری کی ابتدا تھی چنانچہ اوحدی نے یہ پیشین گوئی بھی کی ہے کہ اگر توفیق ہوئی تو ”شاعری بہ غایت خوب خواہد شد۔“ (۴)

محمد صالح کنبر لاهوری نے اس کے کلام کی تعریف کی ہے۔ لکھا ہے

کہ

(۱) تذکرہ ہمیشہ بہار میں اس کا نام میر عمار الدین محمد علی ابن محمد

شیرازی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

(۲) بعضی تذکروں میں اسے اسد آبادی لکھا ہے (تذکرہ تقی الدین اوحدی، تذکرہ ہفت آسمان)۔

(۳) گلچین جلد اول ص ۵۱۹

(۴) ایضاً

* لطف کلامی از قیاس افزون و جزالت الفاظی از خیال
بیرون است - در قصیدہ قصدہای نیکو میکنند و در غزل
معنی برجستہ می بندد - استعارہ و تازہ گوئی را بمرتبہ
کمال رسانیدہ - (۱)

ابو طالب کلیم نے ذیل کے مصرع سے تاریخ نکالی ہے ع
دور از ان بلبل قدمی چمن زندان شد
۱۰۵۶

الہی کا مزار کشمیر میں بنایا گیا ہے اور اس پر جو قطعہ تاریخ درج ہے
اس میں "بود سخن آفرین" سے سال وفات ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۲ء معلوم ہوتی ہے
لیکن اکثر تذکرہ نویسوں نے دوسرے سنیں لکھے ہیں (۲)

قطع نظر اس سے کہ میرالہی صاحب دیوان شاعر تھا اس نے ۱۰۲۲ھ /
۱۶۳۲ء میں بزمانہ قیام کشمیر شعرائے فارسی کا ایک تذکرہ بھی لکھا تھا اور
زندگی کے آخری ایام ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء و ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء تک ترتیب کا سلسلہ جاری
رکھنے کے باوجود اسے ناتمام چھوڑ کر ہی دنیا سے رخصت ہو گیا - چنانچہ یہ
تذکرہ ہمایوں کے ذکر پر ختم ہو جاتا ہے - (۳) جس کے دو نسخے بتائے گئے ہیں
دونوں میں فاتحہ اور خانمہ نہیں ہے اس بنا پر خیال کیا گیا ہے کہ غالباً مولف
کو اسے مکمل کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا - اس خیال کی اس بات سے بھی تائید
حاصل ہوتی ہے کہ کسی بھی مورخ یا تذکرہ نویس نے میرالہی کے تذکرہ لکھنے
کا ذکر نہیں کیا ہے -

(۱) گنجین جلد اول ص ۵۲۰

(۲) غنی کشمیری نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء، صاحب میرات جہان نے ۱۰۵۴ھ /
۱۶۴۴ء، محمد جان قدسی نے ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء اور سراج الدین علی خان
آرزو نے ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء میں الہی کی وفات بیان کی ہے -
(باقی اثنہ)

اس تذکرے میں کوئی چار سو مقدم اور تاخر خصوصاً نوین دسویں صدی کے شاعروں کا حال بہ ترتیب حروف نہجی لکھا گیا ہے اس میں پہلا شاعر امیر محمود ابن بعین ہے اور ہمایون بادشاہ پر ختم کیا ہے انہیں میں آٹھویں صدی ہجری کے بھی بعض شاعروں کا حال بھی شامل ہے جو دولت شاہ کے تذکرے سے منقول معلوم ہوتا ہے۔

مولف شہنشاہ جہانگیر اور شاہجہان کے دربار سے وابستہ رہا تھا۔ آگرے سے کشمیر تک مختلف مقاموں پر اسے رہنے کا موقع ملا تھا چنانچہ شعرائے فارسی کو خصوصاً معاصرین کے بارے میں اس کو اچھی واقفیت تھی۔ اس نے اپنے تذکرے کی تالیف میں یعنی اہم ماخذ سے مدد بھی لی تھی اس لحاظ سے اس کے تذکرے کے مندرجات کی اہمیت ہے۔ اس تذکرے کے دنیا میں صرف دو نسخے ہیں ایک شاہان اودھ کے کتابخانے میں اور دوسرا کتاب خانہ برلن میں ہے۔ یہ تذکرہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

(گلاشتہ سے پیوستہ)

(۳) شعرائے اردو کے تذکرے ص ۸۱ ڈاکٹر حنیف نقوی

۱۹ - طبقات شاہجہانی

اس کتاب کے مولف کا نام محمد صادق ہے جو ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء میں پیدا ہوا تھا اس کی زندگی کا زیادہ حصہ دہلی میں گزرا تھا اور اس نے شیخ فیض سے علوم متداولہ کی تحصیل کی تھی۔ وہ عبدالحق دہلوی کا بھی شاگرد تھا ہندوستان میں پیدائش کے لحاظ سے عبداللطیف عباسی کے بعد دوسرا ملکی تذکرہ نگار ہے۔ مولف کا کہنا ہے کہ "اس نے ایک کتاب سلسلۃ الصادقین کے نام سے لکھی تھی۔ اس نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ ایک کتاب مآثر جہانگیری کے نام سے تالیف کرنے کا ارادہ ہے افسوس ہے کہ اب اس نام کی کسی کتاب کا ذکر نہیں ملتا" (۱) بظاہر یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ طبقات شاہجہانی کا مولف اور کتاب کلمات الصادقین کا مولف ایک ہی شخص ہے اور اس کا نام محمد صادق ہمدانی تھا۔

مولف نے تیمور سے شاہجہان بادشاہ تک ہر بادشاہ کے متوسل اور ہم زمانے اور اب کمال کو علیحدہ علیحدہ روشناس کرایا ہے۔ تذکرے میں کسی جگہ زمانہ تالیف کے متعلق کوئی صراحت موجود نہیں۔ تذکرے کے طبقہ دوم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کا کام ۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۶ء میں جاری تھا۔ یہ تذکرہ دس طبقات پر مشتمل ہے اور پہلے طبقہ میں امیر تیمور کے عہد کے شاعروں کا احوال لکھا ہے اور آخری یعنی دسویں طبقہ میں شاہجہان کے زمانے کے شاعروں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ ہر طبقہ کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے اس طرح

باب اول - در ذکر ملادات و عرفا

باب دوم - در ذکر علماء حکما و فضلا

باب سوم - در ذکر شعرا

اس تذکرے کے قلعی نسخے کتاب خانہ آصفیہ میں ہیں لیکن ابھی یہ غیر

مطبوعہ ہے۔

۲۰۔ تذکرہ رسالہ برہمن

چندر بھان برہمن لاہور میں پیدا ہوا تھا اور اکیر آباد اس کا مسکن تھا اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

” ہر چند بصورت ہندوست امار معنی در اسلام می زند “ (۱)

شروع میں میر عبدالکریم اور افضل خان کے متوسلین میں تھا۔ شاہزادہ دارا شکوہ کی سرکار میں بھی منشی گری کی خدمت سے مشرف رہا تھا۔ شاہزادہ کے مقتول ہونے کے بعد بنارس چلا گیا اور وہیں ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء میں انتقال کیا۔

برہمن نے شہنشاہ اکبر کے وقت سے اپنے زمانے تک کے فارسی اور ہندی کے شاعروں کے حالات پر مشتمل ایک مختصر سا تذکرہ لکھا تھا جو ہندوستان میں موجود تھے۔

رسالے کے شروع میں ایران اور توران کے بعض ایسے شاعروں کا بھی ذکر کر دیا ہے جو ہندوستان میں نہیں آئے تھے۔

یہ تفصیلات احمد گلچین معانی کی کتاب سے اخذ کی گئی ہیں جن کا کہنا ہے کہ اس رسالے کے صرف تیرہ ورق کتاب خانہ پروفیسر آذر لاہوری میں انہوں نے دیکھے تھے لیکن عجیب بات ہے کہ گنجینہ آذر (کتاب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور) کی فہرست نسخہ های خطی فارسی میں سید خضر عباسی نوشاہی نے اس قسم کے کس رسالے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۲۱ - لطایف الخمسین

یہ تذکرہ شیخ (۱) مفید شیرازی معروف بہ شاہ محمد لکھا ہے جو شیخ بہای کے شاگردوں میں سے ہیں۔ یہ شاہجہان کے عہد میں ہندوستان آیا۔ اس کے تفصیلی حالات معلوم نہیں البتہ ضحاً تذکرہ میں جو اطلاعات قلمبند ہو گئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۱ء میں شہر دولت آباد میں رہتا تھا۔ اس نے سورت اور احمد آباد کی بھی سیر کی تھی اور بعض صاحبانِ علم اور شعرا سے ملاقاتیں کی تھیں ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء میں وہ ایران بھی گیا تھا اور شیراز اور اصفہان میں رہا تھا وہاں سے ہندوستان واپس آنے کے بعد ۱۰۷۶ھ / ۱۶۶۵ء میں اس نے تذکرے کی تالیف کا کام شروع کیا تھا۔

اس تذکرے میں مقدمہ اور خاتمہ نہیں ہے اس بنا پر خیال ہے کہ شاید مولف اسے مکمل نہیں کر سکا تھا۔ ظاہراً وہ اس کی تالیف کے کام میں ۱۰۷۸ھ / ۱۶۶۷ء تک مصروف رہا تھا۔ اس سال کے بعد اس پر کچھ گزری یہ بات کسی ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکی۔

اس تذکرے کے دو نسخہ کا حال معلوم ہے۔

- ۱۔ دانشگاہ لاہور کا نسخہ۔ دراصل اس تذکرے کی صرف جلد اول ہے اور اس میں ایک سو پندرہ شاعروں کے حالات لکھے ہیں البتہ نسخے کے شروع میں مذکور ہے کہ یہ چار سو چون شاعروں کے حالات پر مشتمل ہے۔
- ۲۔ نسخہ نہران۔ دونوں جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں تین سو چون شاعروں کے احوال مندرج ہیں۔

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند میں نام شیخ ہند شیرازی لکھا

ہے۔ جلد دوم صفحہ نمبر ۶۱۵

مولف نے شاعروں کو ان کے ممکن کے تعلق سے تقسیم کیا ہے تقسیم کی یہ صورت بھی نئی ہے اور افادیت سے خالی نہیں ہے ۔ مولف نے شاعروں کے حالات مختصر لکھے ہیں البتہ اشعار بہت نقل کئے ہیں ۔ چونکہ بیشتر شاعروں سے مولف ذاتی طور پر واقف تھا اس لیے جو کچھ لکھا ہے اس کی اہمیت ہے اور ہم عصر شاعروں کے حالات کا ایک معتبر ماخذ خیال کیا جاتا ہے ۔ اسکے دو قلمی نسخے ہیں ایک پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں اور دوسرا نہران یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے ۔ یہ تذکرہ بھی ہنوز غیر مطبوعہ ہے ۔

۲۲ - تذکرہ نصرآبادی

اس تذکرے کے مولف میرزا محمد طاہر نصرآبادی اصفہانی نے سبب تالیف میں خود بیان کیا ہے کہ

" بخاطر رسید کہ مختصری از اشعار معاصرین خود کہ بعض صاحب دیوان و جمعی گاہی متوجہ ترتیب نظمی شدہ اند پردازد ---- از کم مایگی و قلت تنبع اندیشہ نہ کردہ بہ ذکر مطالب پرداختہ و آن را وسیلہ دعی دولت نواب ظل الہی ساخت " (۱)

میرزا محمد طاہر نصرآبادی نے اس کتاب کو ۱۰۸۳ھ / ۱۲۴۲-۴۳ء میں شروع کر کے ۱۰۸۹ھ / ۱۲۴۸ء میں مکمل کر لیا تھا پھر ۱۱۱۵ھ / ۱۲۰۳ء تک جن لوگوں نے وفات پائی تھی ان کے حالات کا اس نے اضافہ کیا ۔

یہ تذکرہ جس کا بظاہر کوئی نام نہیں معلوم ہوتا ایک مقدمہ پانچ صف اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے اس طرح —

- مقدمہ - بادشاہوں اور شاہزادوں کے بیان میں
صف اول - امرا خواتین اور ملا زبان شاہی کے ذکر میں - اسمین تین فرقے ہیں
پہلا فرقہ - مقرران و امرای ایران
دوسرا فرقہ - امرا اور خواتین ہندوستان
تیسرا فرقہ - وزرا اور شاہی دفتر خانہ کے متعلقین
صف دوم - سادات و نجب و غیرہ کے بیان میں
صف سوم - علما و فضلا کے ذکر میں - اس میں تین فرقے ہیں
پہلا فرقہ - علما و فضلا
دوسرا فرقہ - خوشنویسان

تیسرا فرقہ - فقرا و درویشان

صف چہارم - شاعروں وغیرہ کے حالات مین - اس مین بھی تین فرقے ہین -

پہلا فرقہ - عراق و خراسان کے شعرا -

دوسرا فرقہ - ماوراء النہر کے شعرا

تیسرا فرقہ - شعرا ی ہندوستان

صف پنجم - اقوام کہنہ اور خود مولف کے حالات کے بیان مین -

خانہ - مقدمین و متاخرین کی تاریخوں اور مسمون کے ذکر مین - اس مین

دو دفعہ ہین -

پہلی دفعہ - ان تاریخوں اور مسمون کے ذکر مین جن کے کہنے

والوں کا حال معلوم ہے اس کے تین حرف ہین

پہلا حرف - تواریخ

دوسرا حرف - لغز یعنی چیستان وغیرہ

تیسرا حرف - معما

دوسری دفعہ - ان تاریخوں، مسمون وغیرہ کے ذکر مین جن کے کہنے

والے کا تعین نہیں ہے - اس کے بھی تین حرف ہین -

پہلا حرف - تواریخ

دوسرا حرف - لغز یعنی چیستان وغیرہ

تیسرا حرف - معما

مصنف نے اس تذکرے مین ایک ہزار سے زائد ہمعصر فارسی گوینوں کے حالات لکھے ہین

اور اس نے اس کو شاہ سلیمان کے نام سے مسمون کہا ہے - اس کے ایک قدیم نسخہ پر

جو ناقص الاول ہے سال کتابت ۱۰۹۱ھ / ۶۸۰ء مندرج ہے اور آخر مین

گل گلشن خیال (۱۰۹۱) ہے - جو کہ کتاب کے مکمل ہونے کا مادہ تاریخ ہے -

اسکا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ مین بھی موجود ہے لیکن وہ

ناقص الآخر ہے - یہ تذکرہ چھپ چکا ہے -

۲۲ - کلمات الشعراء

مولف کا نام میرزا میان محمد افضل اور تخلص خوش تھا۔ اسپرنگرنے اس کی عرفیت جیلا لکھی ہے لیکن یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس کا تخلص بیخود کا عطا کردہ ہے۔ بیخود بعد میں اسے محمد علی ماہر کے حضور میں لے گئے جو نوجوان شاعر کو شاگرد سے زیادہ دوست سمجھتا تھا۔ (۱)

سرخوش کے دادا میر لعل بیگ بدخشان کے رہنے والے تھے۔ (۲) وہ ترکوں کے برلاس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والد محمد زاہد شاہجہان بادشاہ کے ہفت ہزاری امیر عبداللہ خان زخمی کی سرکار میں میر سلیمان تھے۔ (۳)

محمد زاہد کشمیر میں مقیم تھے وہیں ۱۰۵۰ھ / ۱۶۲۰ء میں یہ پیدا ہوئے۔ اور میر معز نے "افضل اہل زمانہ" سے تاریخ ولادت نکالی چنانچہ افضل نام رکھا گیا۔

سرخوش نے سرہند میں ہوش سنبھالا اور بچپن میں شعر گوئی کی طرف مائل ہوا۔ شروع میں اپنے بڑے بھائی سے کسب فیض کیا پھر میرزا محمد علی ماہر کا شاگرد ہو گیا اس سلسلے میں خان آرزو کا بیان ہے کہ —

"ہر چند شاگرد محمد علی ماہر است اما استفادہ تمام در خدمت میر

معز فطرت الخطاب بہ موسوی خان نمودہ۔"

اور میر معز بھی سرخوش کی نہایت قدر کرتے تھے چنانچہ کہتے تھے کہ میں نے

ہندوستان میں تین شاعر دیکھے ہیں ع

غنی و ناصر علی و سرخوش

(۱) کلمات الشعراء ص ۱۰۲

(۲) مرآۃ الخیال ص ۳۱۲ ریاض الشعراء ص ۱۸۷ میں ہے "درفرہ قولاد

پسرمی بردہ"

(۳) مرآۃ الخیال ص ۱۰۰

ابتدائی عمر میں سرخوش عبداللہ خان زخمی شاہجہانی کا ملازم رہا پھر ان کے انتقال کے بعد بخش الممالک روح اللہ خان کی سفارش پر بادشاہ عالمگیر کی سرکار سے وابستہ ہوا اور غالباً اس وقت اسکا منصب مہ بیستی تھا۔ (۱)

۱۰۸۷ھ/۷۷-۶۷۶ء میں اسے حسن ابدال میں مشرف عدالت مقرر کیا گیا جس کی تاریخ اس سے "اشرف عدالت" سے نکالی ہے (۲) فرخ سیربادشاہ کے عہد میں ۱۱۲۷ھ/۷۱۵ء میں فوت ہوا۔ اس وقت اسکی عمر ۷۶ برس کی تھی قدم شریف میں دفن کیا گیا۔ (۳) حکم چند ندرت نے "زجہان رفت آہ طرف پاک" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ (۴)

آخر عمر میں پایہ تخت میں آکر چونکہ سعد اللہ خان میں اپنی حوصلہ بنوائی جس کے دونوں طرف یہ لکھوا دیا تھا کہ (۵) اگر بیای در بازاست وگرنیای حق بہ نیازاست

سرخوش کی طبیعت شروع سے درویشی کی طرف مائل تھی ہمیشہ تصوف کے مسائل سیکھتا تھا اور صوفیوں کی جماعت کے ساتھ رہتا تھا۔ آخر عمر میں گوشہ نشین ہو گیا لیکن پوری طرح تارک الدنیا نہیں ہوا۔

سرخوش کی نثر و نظم میں کئی تصانیف ہیں مگر آج وہ صرف "کلمات الشعرا" کی بدولت زندہ ہیں۔ گل رعنا کے مولف کا بیان ہے کہ اس کے لڑکوں کی لاپرواہی سے اس کی بیشتر تصانیف ضائع ہو گئیں۔ (۶)

(۱) کلمات الشعرا ص ۲۷، ید بیضا ص ۱۲۶

(۲) ایضاً ص ۱۳۲

(۳) سفینہ خوشگو ص ۷۵، گل رعنا ورق ۱۲۷، ربو (۱/۳۶۹) اور ابترے نمبر ۶۷

نے بالترتیب ۱۱۲۵ھ/۷۱۳ء، ۱۱۲۷ھ/۷۱۵ء لکھا ہے۔

(۴) سفینہ خوشگو ص ۷۶ (۵) سفینہ خوشگو ص ۷۲

(۶) گل رعنا ص ۱۲۷

اس کے سبب تالیف میں سرخوشی نے کہا ہے کہ مختلف تذکروں سے مقدمین کے حالات نقل کرنے میں کچھ لطف نہیں اس لئے

" شمعہ ای از احوال واقوال سخن سنجان عصر نورالدین جہانگیر
شاہ تانازک خیالان عہد عالمگیر شاہ کہ پایہ معنی یابی یا
بہ معراج کمال رساندہ و فقیر سرخوشی فیضِ صحبت اکبری از
آنان را دریافتہ وہ با بعض نسبت ہم عصری داشتہ انچہ بگوئی
خوردہ کم و بیش موافق ترتیب حروف نہجی بقید قلم و ضبط
رقم در آوردہ بہ کلمات الشعرا موسوم گردانید و تاریخش نیز
از نام بر آوردہ - " (۱)

سرخوشی نے شعرا کے حالات خود اپنی معلومات کے مطابق لکھے ہیں اس وجہ سے اسکو تذکرہ سرخوش بھی کہتے ہیں - البتہ بعض بیاضوں سے ضرور مدد لی ہے - ذاتی علم پر مبنی ہونے کی وجہ سے سرخوشی کے بیانات کی اہمیت ہے لیکن یہ افسوس کی بات ہے کہ اس نے سال ولادت و وفات وغیرہ لکھنے کا اہتمام نہیں کیا ہے اور بعض غیر معتبر حکایتیں بھی لکھ دی ہیں اس نے اپنے تذکرے کے دیباچے میں یہ شعر بھی لکھا ہے -

داخل اہل سخن نیست بہ پیہر دانا
ہر کہ نامہ نہ بود در کلمات الشعرا
ظاہر ہے کہ اس دعوے میں مبالغہ بھی ہے اور خود ستائی بھی -

بہر نوع یہ تذکرہ ۱۶۹ شاعروں کے حالات پر مشتمل ہے اور اس میں الہی ہمدانی سے یحییٰ کاشنک کے شعرا کا ذکر ہے -

کلمات الشعرا میں بعض اغافے ۱۱۱۵ھ / ۷۰۳ء تک کے معلوم ہوتے

ہیں -

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ سرخوش نے صرف مدح و قدح کو اپنا شعار نہیں بنایا ہے بلکہ اکثر مقامات پر تنقیدی بصیرت کا ثبوت بھی پیش کیا ہے اور اپنے دعویٰ کے لئے دلائل بھی پیش کئے ہیں -

یہ درست ہے کہ بعض شاعروں کے حالات سرخوش نے بہت اختصار سے لکھے ہیں لیکن چونکہ وہ زیادہ سے زیادہ شاعروں کے حالات کو اپنے تذکرے میں قلمبند کرنا چاہتا تھا بعض کم رتبہ شاعروں کے ذکر میں اجمال ناگزیر ہو گیا تھا چنانچہ بعض کے حال میں صرف ایک جملہ لکھ دینے پر ہی اکتفا کی ہے -

سرخوش کو تاریخ گوئی سے بہت دلچسپی تھی چنانچہ جن شاعروں کو اس فن سے تعلق تھا ان کے حالات میں خصوصیت سے اس کا ذکر کیا ہے اور نسبتاً زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے اس صورت حال نے اس کے تذکرے کو زیادہ وقیع بنادیا ہے -

سرخوش نے اپنے تذکرے میں بعض شاعروں کے شعروں کے جواب میں خود اپنے اشعار بھی نقل کئے ہیں - یہ ایک دلچسپ صورت ہے جسکی خصوصاً نقابلی مطالعے کے سلسلے میں اہمیت ہے -

تذکرہ کلمات الشعرا جہانگیر شاہ جہان اور اورنگ زیب کے عہد کے ہمدستانی شعرا کا تذکرہ ہے / اس میں دو ایرانی شاعر طاہر وحید اور مہرہادی شرر کا بھی ذکر ہے - (۱)

اس کا شمار شعرائے فارسی کے اہم ترین تذکروں میں ہوتا ہے اور یہ اب تک ایک سے زائد بار چھپ چکا ہے -

مرتب تذکرہ علامہ لحوٰی صدیقی کے بقول " یہ تذکرہ نہایت دلچسپ مفید اور تاریخی معلومات کا ذخیرہ ہے بہا ہے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ان شعرا کا ذکر ہے جو خود مولف کے ہم عصر تھے یا جن کے حالات سے وہ ذاتی طور پر واقف تھا۔ (۱)

اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ میں بھی موجود ہے جس کی کتابت ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء میں ہوئی تھی۔ کیٹلاگ میں ۱۲۵۱ھ چھپ گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ حبیب گنج علی گڑھ میں موجود ہے جس کی کتابت ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء میں ہوئی۔

اس کو صادق علی دلاوری صاحب نے عالمگیر پریس سے لاہور ۲۱۵۸ ش / ۱۹۲۲ء میں شائع کیا۔ (۲)

(۱) کلمات الشعرا مقدمہ مرتب ص ۳۵

(۲) فہرست کتاب های فارسی چاپ سنگی و کتابت خانہ گنج بخش

۲۲ - مـرآت الخـیال

اس تذکرے کے مولف کا نام شیرخان لودی تھا (۱) وہ علی امجد خان لودی کا بیٹا تھا جو شہزادہ شجاع کی سرکار میں ملازم تھا اور بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ بنگال میں رہا وہاں اس نے ملا فرخ حسین ناظم ہرائی سے تعلیم پائی وہ ابھی عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں ہی پڑھ سکتا تھا کہ ملا ناظم ہرائی نے ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء میں وفات پائی اس کے بعد شیرخان کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام نہیں ہو سکا تھا وہ اپنے باپ اور ان کے دوستوں سے کسب فیض کرتا رہا۔ ۱۰۸۲ھ / ۱۶۷۳ء میں والد اور بھرتین برہم بعد ۱۰۸۷ھ / ۱۶۷۶ء میں اس کے بھائی نے انتقال کیا۔ ان حالات نے اسے بہت پریشان کر دیا۔ غم غلط کرنے کے لئے اس نے خود کو تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف کیا اور ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء میں اس نے اپنے والد کے ایک دوست سید شکر اللہ خان کی خدمت میں رسائی حاصل کی۔ (۲)

(۳)
۱۱۰۲ھ / ۹۱-۶۹۰ء میں شیرخان نے تذکرہ مرآت الخیال لکھنا شروع کیا چنانچہ خود کہتا ہے —

صورت تاریخ انجامی توان بی پردہ دید

گرتامل پردہ بردارد ز مرآت الخیال

۱۳۱۳

—

۲۱۱

(۱) رپو (۳۷۰/۱) اور یوڈلین (نمبر ۳۷۴) میں علی احمد خان لکھا ہے۔

(۲) مرآت الخیال ص ۱۸

(۳) فہرست مخطوطات ذخیرہ احسن مارہروی مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ

ابتدا اس طرح کرتا ہے —

ای ز تو بند بر زبان نطق سخن سرای را
فکر تو باعث جنون عقل گرہ کشای را

شیرخان لودی نے فارسی تذکرہ نویسی کی تاریخ میں غالباً پہلی مرتبہ شاعرات کے حالات لکھنے کا جرات مندانہ اقدام کیا تھا۔ اس کے تذکرے میں ایک سو پندرہ شاعروں کے ساتھ ساتھ پندرہ فارسی گو شاعرات کا ذکر بھی شامل ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شیرخان نے شاعروں کا حال زمانی ترتیب سے لکھا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے تذکرے میں فارسی شاعری کی تاریخ جیسا انداز پیدا ہو گیا ہے۔

تذکرہ مراث الخیال کا دیباچہ علمی نقطہ نظر سے بہت مفید اور قابل مطالعہ ہے شروع میں نظم و نثر سے متعلق بحث کی ہے اور شرکیہ مقابلے میں نظم کی برتری اور اہمیت ثابت کی گئی ہے۔ شعر گوئی کے جواز میں قرآن و حدیث سے شواہد پیش کئے گئے ہیں پھر

”ابتدای شعر فارسی واقسام آن و بیان خط و اقسام آن و بیان
حروف والفاظ و اعراب“ (۱)

سے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ان بحثوں سے نہ صرف مولف کی بالغ نظری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کے عہد میں شعرو سخن سے متعلق جو نظریات عام ہو رہے تھے ان کی تفہیم میں بھی بہت مدد ملتی ہے۔ اصل تذکرہ چھ حصوں پر مشتمل ہے۔

قسمت اول - اس میں اٹھاون شعرائے مقدم کا ذکر ہے۔ پہلا شاعر رودکی اور آخری شاعر اصفی ہے۔

- قسمت دوم - صرف آٹھ معاصر شاعروں کا بیان ہے بہ حصہ جلال امیر سے شروع ہو کر مولانا صاحب نجفی پر تمام ہوتا ہے۔
- قسمت سوم - عہد شاہجہانی کے ستائیس شاعروں کے حال میں ہے۔ محمد جان قدس سے یوسف بیگ شایق تک ہے۔
- قسمت چہارم - گیارہ زندہ شاعروں نواب عاقل خان رازی سے احمد عبرت تک کے احوال میں ہے۔
- قسمت پنجم - گیارہ ان شاعروں سے متعلق ہے جن کی شہرت ایران و توران تک میں ہے۔ ناصر علی سرہندی سے شیخ محمد امین وحشت تک ہے۔
- قسمت ششم - مہری ہروی سے شروع ہو کر شریفہ بانو ہمدانی تک پندرہ شاعرات فارس گو کے ذکر میں ہے۔

اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ مولف نے اس تذکرے کو شاہجہان کے نام سے معنون کیا تھا۔ یہ بات خلاف قیاس ہے کیونکہ اس تذکرے کی تالیف سے بہت پہلے شاہجہان کا انتقال ہو چکا تھا۔ بظاہر مولف نے اسے کسی بھی بادشاہ کے نام سے معنون نہیں کیا تھا چنانچہ اس نے عاف لکھا ہے کہ

”چون راقم حروف را از تحریر و ترتیب ابن گدستہ بہارستان

خیال مقصدی دیگر در پیشی است و شایہ مدحت ملوک و

خوانین پیرامون خاطر این غرضی راہ ندارد۔“ (۱)

شیرخان لودی کا یہ بیان بھی خلاصہ جراتمندانہ ہے اور اس سے اس کے

بھی فکر و خیال کی خوبی کا ثبوت ملتا ہے۔

اتنی بات درست ہے کہ قسمت اول کے شاعروں کے حالات مولف نے قدیم تذکروں سے لئے ہیں۔ ان میں تذکرہ دولت شاہ، نفحات الانس اور مجمل فصیح قابل ذکر ہیں۔ لیکن باقی حصہ اس نے خود اپنی معلومات کے مطابق لکھا ہے اور بظاہر دوسروں سے نقل نہیں کیا ہے۔ اس اعتبار سے بھی یہ تذکرہ فارسی گو شاعروں کے حالات کے سلسلے میں ایک وقیع اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس میں انشا پر داری کے نمونے بھی نظر آتے ہیں۔ ہندوستانی موسیقی، طب، تعبیر خواب، قیافہ شناسی، علم ترکیب کا بیان، علم الروا، علم السحر جن، عشق، جغرافیہ، تصوف، اخلاقیات وغیرہ پر بھی طویل بحثیں ہیں۔ بعض معاصرین کے اہم خطوط بھی نقل کئے ہیں ان میں ناصر علی اور شکر اللہ خان کی خط و کتابت دلچسپ ہے۔

یہ تذکرہ پہلی مرتبہ کلکتہ میں ۱۲۲۶ھ / ۱۸۳۰ء میں چھپا پھر بریلی سے ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء میں اور تیسری بار بمبئی کے مطبع مظفری سے ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء میں چھپ کر شایع ہوا ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ میں موجود ہیں۔ حبیب گنج کلبکشن میں جو مخطوطہ ہے اس میں شعرا اور شاعرات کی کل تعداد ایک سو چھتیس ہے۔

۲۵۔ راحة القلوب

حکیم میرزا محمد نعمت خان مخاطب بہ دانشمند خان عالی فضایل
وکالات مین بگاہ روزگار تھا۔ عہد عالمگیری مین ہندوستان آیا۔ بادشاہ
تدریس نئے خطاط و منصب سے عزت بخشی۔ ملاطین مابعد کے زمانے مین منصب
اور اعزاز مین ترقی ہوئی۔ بہ عہد بہادر شاہ اول ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۱ء مین
لاہور مین وفات پائی۔

راحت القلوب اس کی تالیف ہے جس کے بارے مین احمد لکچین معانی
نے لکھا ہے۔

”ابن کتاب بہ طرز یخچالیہ نوشتہ شدہ و مشتمل است بر ذکر
بعضی از معاصران مولف و نام صاحبان تراجم بہ صورت معما
ذکر شدہ است۔“ (۱)

اس تعارف سے بات واضح نہیں ہوتی۔ بہر نوع اگر یہ شاعروں کا تذکرہ
ہے تو بہت دلچسپ اور وقیع ہے کیونکہ اس طور پر شعرائے فارس کا کوئی دوسرا
تذکرہ تاحال دریافت نہیں ہوا ہے۔

۲۶ - تذکرۃ الشعراء

یہ ان تذکروں میں سے ہے جن کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کا مصنف کوئی ابراہیم بن محمد شریف دار سپاہانی بتایا گیا ہے۔ جس نے اس تذکرے کو ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء میں مکمل کیا تھا۔ مصنف کے حالات بالکل معلوم نہیں البتہ اس بنا پر اس نے ہندوستان کے فارس گو شاعروں کا عموماً ذکر نہیں کیا ہے (خسرو دہلوی وغیرہ کو مستثنیات میں شمار کرنا چاہئے) اس لئے خیال ہے کہ مصنف ہندوستان میں نہ آیا ہوگا۔ اپنے تذکرے کے آخر میں اس نے بہت اختصار کے ساتھ تاریخ ایران بھی لکھی ہے۔ اس سے ہمارے مذکورہ قباس کی تائید ہوتی ہے۔

تذکرے کے شروع میں مصنف نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ "سلطان محمود غزنوی کے وقت تک دربار کے سارے کام عربی زبان میں ہوتے تھے اور فارس میں لکھنے کو لوگ معیوب خیال کرتے تھے۔" (۱) بعد کے زمانے میں فارس کا جلن ہوا اور بہت سے اہم فارس گو شاعر پیدا ہوئے۔ اس تذکرے میں کل پچاس شاعروں کے حالات مندرج ہیں۔ بظاہر ان کے ذکر میں ترتیب کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی ہے۔ زمانی ترتیب کا خیال ضرور ہوتا ہے لیکن اس کی بھی سختی سے پابندی نہیں کی گئی ہے۔ اس تذکرے کی زبان میں عربی کا اثر نمایاں ہے۔

اس تذکرے کا صرف ایک نسخہ دانشگاہ تہران میں مل سکا ہے اور اس کی بھی حیثیت کسی کتاب کے ضمیمہ کی ہے۔

۲۷ - ہمیشہ بہار

اس تذکرے کا مولف کشن چند اخلاص قوم کا کھتری اور بقول لجھمی نرائن شفیق جہان آباد (دہلی) کا رہنے والا تھا۔ (۱) اخلاص کے باپ کا نام اجل داس تھا اور وہ فقرا کی صحبتوں میں درویشانہ بسر کرتا تھا۔ خود کشن چند اخلاص کے گھر پر اس زمانے کے فضلا کی جماعت رہتی تھی۔ اس نے احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں وفات پائی تھی۔ (۲)

کشن چند نے اپنا تذکرہ ہمیشہ بہار ۱۱۳۶ھ/ ۱۷۲۳ء میں لکھا تھا۔ چنانچہ خود اس نے بتایا ہے کہ "ہمیشہ بہار" کے عددوں کو دو گنا کر دینے سے سال تالیف نکلتا ہے ۱۱۳۶ = ۲ × ۵۶۸۔ (۳)

تذکرہ ہمیشہ بہار میں تین سو سات شاعروں کے حالات اور اشعار ان کے تخلصوں کے حروف نہجی کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ یہ تذکرہ شہنشاہ جہانگیر کے وقت سے محمد شاہ بادشاہ کے جلوس کے وقت تک کے شاعروں کے ذکر پر مشتمل ہے لیکن ایک دو ایسے شاعروں کا ذکر بھی آگیا ہے جو سلطان جلال الدین اکبر کے عہد میں موجود تھے۔

اس تذکرے میں پہلا شاعر امیر خان انجام اور آخری شاعر احمد یار خان درج ہے۔ (۴)

(۱) رضا نقوی ص ۲۲۹

(۲) ریح ۲ ص ۱۰۸۶

(۳) رضا نقوی ص ۲۳۰

(۴) نسخہ خدا بخش پتہ

اس تذکرے میں برہمن، جہانگیر، ریاض، شیدا، شادمان، صائب، عرفی، ناصر علی، فیض، دارا شکوہ، قدسی، کلیم، ملا شاہ بدخشانی اور نور جہان کے حالات قابلِ تعریف ہیں اور بیدل، جوہا، ریاض، ذلالی، صلابت، جنگ، سلیم، سرخوہ، صائب، طالب املی، ظہوری، غنی، قدسی، قبول، کلیم، گلشن، مخلص کاشی، منیر اور طاہر وحید کے کلام کا انتخاب مفصل دیا ہے۔

تذکرے کے مقدمے کی زبان پُر تکلف اور مسجع ہے لیکن شاعروں کے حالات نسبتاً صاف اور سادہ فارسی نثر میں لکھے ہیں اکثر شعرا کے ذیل میں ان کے عادات و خصایل کی طرف مختصر اشارہ کیا ہے۔

اس تذکرے کو ڈاکٹر وحید قریشی نے مرتب کر کے انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالہ اردو کراچی میں بالاقساط شائع کر دیا ہے۔

۲۸ - سفینہ خوشگو

سفینہ خوشگو کے مولف کا نام بند رابن داس اور تخلص خوشگو تھا۔ اس نے اپنے باپ کا نام شیو رام بنایا ہے اور لکھا ہے وہ عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں شاہی لشکر میں ملازم تھا۔ (۱)

جس پر تکلف

خوشگو کا جچا سدا نند کا تخلص تھا اور وہ اعظم شاہ کی ملکہ قدسیہ جہان زیب بانو بیگم کی سرکار میں ملازم تھا۔ خوشگو کا گھرانہ متھرا کا رہنے والا تھا اور ان کی ذات بیس (ویشی - بنیا - بقال) تھی خود خوشگو دہلی میں مقیم تھا اس مناسبت سے اسے دہلوی بھی کہا گیا ہے۔

خوشگو نے بیدل کے سلسلہ حالات میں ضمناً اپنی عمر "پنجاہ و شفی" بتائی ہے چونکہ اس نے اس سفینہ کی تالیف کا کام ۱۱۳۷ھ / ۲۵ - ۱۷۲۲ء میں شروع کر کے ۱۱۴۷ھ / ۳۵ - ۱۷۳۲ء میں مکمل کر لیا تھا قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ اس کا سال ولادت ۱۰۷۸ھ / ۱۶۶۷ء اور ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء کے مابین ہوگا۔

سفینہ خوشگو کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بند رابن داس خوشگو نے مختلف صاحبان علم سے کسب فیض کیا تھا مثلاً

مولوی محمد عبداللہ سے اخلاق ناصری پڑھی۔ میان صادق القا سے مخزن اسرار کا سبق لیا۔ بھوت رائے بیغم بیراگ سے جودہ سال کی عمر میں استفادہ معنوی کیا۔ حاتم بیگ حاتم کی تعلیم پر مشق کی تھی۔

شاعری میں وہ محمد افضل سرخوی کا شاگرد ہوا تھا بلکہ سرخوی ہی نے اس کا تخلص خوشگو رکھا تھا پھر اس نے مرزا بیدل اور سعد اللہ گلشن سے بھی کسب فیض کیا تھا۔ خان آرزو نے بھی خوشگو کو اپنے شاگردوں میں شمار کیا ہے

لیکن خود خوشگو کو سب سے زیادہ عقیدت مرزا بیدل سے تھی۔
خوشگونے اپنا تذکرہ سفینہ خوشگو کے نام سے مکمل کر کے ایک مدت کے بعد
خان آرزو کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا چنانچہ آرزو نے مقدمہ اور شاعروں
کے حالات میں بعضی اغافے کئے تھے۔

پہلا شخص جس نے خوشگو کو مذاقِ عرفان سے آشنا کیا تھا خود اس کا
چچا سدانند بے تکلف تھا۔ رفتہ رفتہ یہ مذاق ترقی کرتا گیا اور خوشگونے ترک
علاق کر کے الہ آباد، بنارس اور عظیم آباد کی سیر کی۔ آخر اس نے بقول لچھمی
نراین شفیق عظیم آباد (پشتہ) میں اس نے ۱۱۲۰ھ / ۱۷۵۶ء میں انتقال کیا۔ (۱)

سفینہ خوشگو کے آغاز و انجام کا سال ذیل کے اس شعر سے معلوم

ہوتا ہے —

آغازی در سفینہ خوشگو بود

۱۱۳۷

انجامی در سفینہ خوشگوی است

۱۱۴۷

اس تذکرے میں خوشگونے شاعروں کے سال ولادت و وفات کو سامنے رکھ کر ان میں
ترتیب قائم کی ہے اور تذکرے کو تین دفتروں میں تقسیم کیا ہے۔

دفتراول میں ۳۶۲ شعراے مقدمین کا حال لکھا ہے اور رودکی سے شروع

کر کے کافی پر تمام کیا ہے۔

دفتردوم میں ۸۱۱ شعراے متوسطین کا ذکر کیا ہے اور اس میں جامی سے

شروع کر کے شگون پر ختم کیا ہے۔

دفتر سوم ۲۲۵ ہا صر شعرا کے احوال و کلام پر مشتمل ہے اور اس کے اندر فطرت سے لے کر منشی سرب مکہ خاکستر کے حالات درج کئے ہیں ۔

اس میں شبہ نہیں کہ خوشگونے دفتر اول اور دوم کی تکمیل کے لئے اکثر معتبر مآخذ سے رجوع کیا ہے جیسے کلمات الشعراء، تذکرہ نصر آبادی، تذکرہ آزاد، ہمیشہ بہار اور تذکرہ والہ اور صحیح ترین معلومات پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے اسی طرح دفتر سوم کے لئے اپنے زمانے کے صاحبان علم سے رجوع کر کے بحد امکان صحیح نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی ہے چنانچہ اس کے تذکرے سے بہت سے ایسے امور کی تردید ہوجاتی ہے جو کسی وجہ سے شہرت پا گئے ہیں ۔ اس حصے میں شاعروں کے حالات شاید سبھی تذکروں سے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں ۔ بیشتر شاعروں کو چونکہ مولف نے خود دیکھا تھا اور ان کے ساتھ شاعروں میں شرکت بھی کی تھی اسلئے اس کے لکھے ہوئے حالات کی اہمیت زیادہ ہے اسلئے اس کا ایک نسخہ دري شومتری نے ایران میں ۱۲۲۱ھ / ۱۸۲۵ء میں ایک "آب آورد" کے نام سے دوبارہ (بعضی اضافات کے ساتھ) ترتیب دیا ہے جس میں کل ۱۱۰۲ شاعروں کا ذکر الفبائی ترتیب سے دیا گیا ہے۔ اور اس تذکرے کا دفتر سوم ہشہ میں ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء میں پروفیسر سید شاہ عطا الرحمن نے مکمل اور منفرد تذکرے کی صورت میں مرتب کر کے اپنے عالمانہ مقدمہ کے ساتھ مشایع کر دیا ہے۔ اگرچہ خوشگو کی عبارت کا طرز مادہ ہے لیکن جہاں کہیں وہ شاعروں کی تعریف کرتا ہے اسکی نثر مصنوعی ہوجاتی ہے ۔ سفینہ خوشگو کے پہلے دو دفتر ہنوز غیر مطبوعہ ہیں دفتر کے قلمی نسخے انڈیا آفس اور دفتر دوم کے قلمی نسخے کتاب خانہ مجلس نهران، کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور اور بانک پور ہشہ میں موجود ہیں۔ (۱) انکی افادیت اس بات کی متقاض ہے کہ انکو بھی جلد شایع کر دیا جائے ۔

(۱) فہرست کتاب های فارسی چاپ سنگی و کعباب کتاب خانہ گنج بخش

ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں " یہ تذکرہ بہت شرح و مفصل ہے۔۔۔۔۔ مصنف کی تنقیدی حیثیت بہت اچھی ہے اور ترتیب مبین کے لحاظ سے ہے۔ معاصرین کا جو حال لکھا ہے وہ بہت مستند ہے چونکہ مصنف کو ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوا وہاں اس نے اکثر شعراء سے ملاقاتیں کیں چنانچہ وہ بار بار ان ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہے۔ (۱)

اس تذکرہ کا دفتر سوم پتہ میں ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء میں پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمن کی ترتیب و تصحیح کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ (۲)

اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے۔

(۱) ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ص ۱۱۵

(۲) تاریخ پاک و ہند جلد سوم ص ۱۸۴

۲۹ - سسفنہ ہے خبر

اس تذکرے کا مولف میر عظیم اللہ بیخبر نخلص تھا۔ یہ شخص بلگرام کے مردم خیز خطے کا رہنے والا تھا اور "میان صاحب" کے عرفی نام سے معروف تھا۔ بیخبر نے اپنے والد کا نام سید العارفین سید لطف اللہ معروف بہ لدھا اور ان کا نخلص احمدی بتایا ہے۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ اس کے اسلاف سادات حسینی واسطی تھے۔ (۱)

خوشگو نے بیخبر کے والد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ جوانی میں وہ علمائے دین کی خدمت میں پہنچے۔ کچھ مدت تک جانب خان کی سرکار میں سپاہی گری میں بسر کی۔ بائیس برس کی عمر میں دنیا سے قطع تعلق کیا اور تلاویٰ حق میں نکل پڑے۔ برہانپور جاکر شاہ برہان شطاری کی خدمت میں رہے۔ ان کے انتقال کے بعد میر عبدالجلیل بلگرامی کی صحبت میں پہنچکر تسکین قلب حاصل کی پھر کالپی کے میر سید احمد کی خدمت میں پہنچکر ان سے بیعت کی اور ان کے اسم مبارک کی مناسبت سے اپنا نخلص احمد مقرر کیا۔ ان کی وفات کے بعد بلگرام میں آکر کوئی ساٹھ برس تک گوشہ نشین رہے آخر ۱۱۲۲ھ / ۱۷۳۰-۲۹ء میں وہیں وفات پائی۔ (۲)

بیخبر بھی خوبی ذوق شخص تھا۔ تصوف میں دستگاہ حاصل کر لی تھی اور اس موضوع سے متعلق چند رسالے تالیف کئے تھے۔ شعر بھی صوفیانہ اور موجدانہ کہتا تھا۔ تصوف و عرفان کے مسائل سے متعلق اس نے چند مثنویاں بھی لکھی تھیں۔

(۱) رِغْل ص ۲۳۱

(۲) ابضا ص ۲۳۲

بیخبر خط شکست لکھنے اور شعر گوئی کے لئے معاصرین میں معروف تھا ۔

میرزا بیدل اس کی صحبت سے بہت محظوظ ہوتے تھے ۔ بیخبر موسیقی اور دوسرے متعلق فنون میں بھی مہارت رکھتا تھا ۔ آخر عمر میں وہ دہلی میں آکر مقیم ہو گیا تھا اور وہیں اپنے والد سے ایک برس پہلے ۱۱۲۲ھ / ۳۰-۲۹ء میں فوت ہوا اور حضرت سلطان المشائخ کن درگاہ میں مدفون ہوا ۔

بیخبر نے اپنا تذکرہ سفینہ بیخبر بزمانہ قیام دہلی مرنے سے ایک برس پہلے حروف تہجی کی ترتیب سے تالیف کیا تھا ۔ جس میں جہانگیر اور شاہ عباس کے عہد سے محمد شاہ اور محمود شاہ کے زمانے تک کے ہندی اور ایرانی شاعروں کے حالات و اشعار قلمبند کئے ہیں ۔ سب سے پہلے اس نے اپنے والد احمدی کے حالات لکھے ہیں اور تذکرے کو احمد یار خان بکنا کے ذکر پر ختم کیا ہے ۔

اس تذکرے میں شعرا کے اشعار اور حالات دونوں میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اس طرح دونوں کے انتخاب میں مولف نے خوش ذوقی کا ثبوت پیش کیا ہے اور طرز تحریر عموماً سادہ اور بے تکلف ہے ۔ سید علی رضا نقوی نے اس کے دو قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں ان کے علاوہ اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں بھی ہے ۔ جس کی کاتب ۱۳۰۰ھ / ۸۳-۸۲ء میں ہوئی تھی ۔

اس تذکرے میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی درج ہیں جنہوں نے ایک دو شعر سے زیادہ نہیں کہے لیکن مولف کا خیال ہے ۔ (۱)

بیک بیت دعویٰ مسلم بود

اگر مصرعش مصرعی ہم بود

ہر شاعر کا چند لفظوں میں تعارف کرا کے اس کے دو تین شعر دیئے ہیں ۔
اس تذکرے کا تیسرا حصہ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے ماہنامہ
معارف اعظم گڑھ کے جولائی ۱۹۵۷ء کے شمارے میں کرایا ہے ۔ اب معلوم ہوا
ہے کہ ڈاکٹر محمد باقر لاہور کے زیر نگرانی ان کی ایک شاگرد نے اس سفینہ کو
پنجاب کے نسخوں کی مدد سے مرتب کر دیا ہے ۔

۳۰۔ بد بیضی

اس تذکرے کے مصنف حمّان الہند میر غلام علی آزاد ابن سید نوح نسباً
حسینی۔ اصلاً واسطی اور مذہباً حنفی جشتی تھے۔ انہوں نے خود اپنے نصیب کا
حال اس شعر میں نظم کیا ہے۔ (۱)

گرچہ باشد موسم الاشبال عیسیٰ جدمن

عیسیٰ جان بخشی شیرانم بامداد نفس

خود آزاد کا کہنا ہے کہ "موسم الاشبال" سے شیر بچوں کو پتیم کرنے والا مراد ہوتا
ہے چونکہ وہ اکثر شیر کا شکار کرتے تھے اس نام سے معروف ہو گئے۔ (۲) یہ موسم
الاشبال حضرت زید بن امام زین العابدین کے بیٹے تھے چنانچہ ایک شعر میں
آزاد نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۳)

مرا بہ تیغ ستم کشت و گشت از سرناز

جراغ دودہ زید شہید روشن شد

آزاد قصبہ بلغرام (ضلع ہردوئی) میں ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۲ء کو پیدا ہوئے تھے شروع
میں میر طغیل احمد بلغرامی سے درسی کتابیں پڑھیں پھر اپنے نانا میر عبدالجلیل
بلغرامی سے لغت و حدیث اور سیرت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی ان کے بعد میر سید
محمد بلغرامی سے عروض و قوافی اور بعض فنونِ ادب کی تحصیل کی۔ مدینہ جا کر
شیخ محمد حیات سندھی سے صحیح بخاری اور صحاح سنہ وغیرہ کا درس لیا پھر
مکہ میں رہ کر شیخ عبدالوہاب طبطاوی سے علم حدیث کے بعض فوائد حاصل کئے۔

(۱) نقوی ص ۲۵۶

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

انہوں نے خود اپنے بارے میں بیان کیا ہے کہ " وطن سے تین مرتبہ سفر پر نکلے تھے۔ پہلی مرتبہ اپنے نانا میر عبدالجلیل سے ملاقات کے لئے میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی کے ساتھ ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۱۵ء میں دہلی گئے اور دو برس تک ان سے استفادہ کیا۔ دوسری مرتبہ اپنے خالو میر سید محمد بلگرامی کی خدمت میں ۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۱ء میں سیوستان بلاد سندھ میں گئے۔ میر سید محمد ان کو اپنی نیابت پر مقرر کر کے چار برس کے لئے بلگرام چلے گئے جب وہ واپس پہنچے تو میر غلام علی آزاد دہلی آگئے۔ اس سفر میں حزمین اور والہ وغیرہ جیسے باکھالوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔

تیسری مرتبہ ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء میں حج کے ارادہ سے نکلے۔ اسی سفر میں انہیں شیخ محمد حیات سندھی اور شیخ عبدالوہاب طبطاوی سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء میں آزاد ہندوستان کے لئے واپس ہوئے۔ ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۱ء میں انہوں نے حیدرآباد اور بیدر کی سیاحت کی پھر کرناٹک، اورنگ آباد اور برہانپور وغیرہ گئے۔ (۱)

آزاد نے ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۶ء میں ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ خلد آباد

میں دفن ہوئے۔ آہ غلام علی آزاد

۱۲۰۰

سے تاریخ نکلتی ہے

میر غلام علی آزاد کو خدا نے غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ پندرہ برس کی عمر میں انہوں نے میر لطف اللہ بلگرامی سے طریقہ چشتیہ میں بیعت کی۔ آزاد کی علمی فضیلت کا تقریباً سبھی تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے۔ فارسی اور عربی کے شاعر کی حیثیت سے بھی ان کے کمالات کا بھی عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے

دیوان اور مشنریوں کے علاوہ آزاد اپنے تذکروں کے لئے بھی معروف ہیں ۔

تذکروں کے ذیل میں ان کی تصانیف درج ذیل ہیں —

- ۱۔ شجرہ طیہ - اس میں شیوخ بلگرام کے حالات لکھے ہیں ۔
۲۔ روضۃ الاولیاء - یہ کتاب ان دس صوفیوں کے حالات پر مشتمل ہے جو خلد آباد میں دفن ہیں اس کا سال تصنیف ۱۱۶۱ھ / ۱۷۸۸ء ہے ۔
۳۔ مائرا الکرام فی تاریخ بلگرام - یہ ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء کی تصنیف ہے ۔ یہ کتاب دو فصلوں پر منقسم ہے ۔
پہلی فصل میں بلگرام کے آٹھ فقرا کے اور دوسری فصل میں اس مقام کے ستر فضلا کے حالات لکھے ہیں ۔
۴۔ سروآزاد - اس کا سال تصنیف ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء ہے ۔
۵۔ خزانہ ظمروہ - یہ تذکرہ ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۱ء میں مکمل ہوا تھا ۔
۶۔ تذکرہ بد بیضا - غلام علی آزاد کا لکھا ہوا پہلا تذکرہ ہے ۔ اس لئے اس میں آزاد کے کمالات علی بہت نمایاں نہیں ہو سکے ہیں ۔ اس تذکرہ کو آزاد نے ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۲ء میں مکمل کر لیا تھا لیکن انھوں نے ۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۵ء میں اس پر نظر ثانی کر کے اس میں کافی اغافے کئے ہیں ۔ یہ تذکرہ ۵۳۵ قدیم و جدید شاعروں کے حالات پر مشتمل ہے اس میں شاعروں کے تخلصوں کو حرف نہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے ۔ مقدمہ میں مولف نے " آغاز شعر فارسی " سے بھی بحث کی ہے اور سبب تالیف میں کہا ہے کہ —

” کتب و دواوین متقدمین و متأخرین کہ در کتب خانہ وطن بہ جهت

همراه بود از این راه شاهد مقصود برطبق خواهش جلوه نمی نمود
اما بهر کیفیت عطلت وقت داعی شد که بقدر امکان طرح این کار باید
انداخت ---- گربنویسی قلمی می تراشید - پس در او اسط سنه
خمس و اربعین و ماهیه و الف عنان همت باقم قریب یکسال کار کردم

ولعہ نوری از تجلی گاہ سخن بدست آورد۔ (۱)

اس تذکرے میں آزاد نے مشہور شاعروں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن غیر معروف شاعروں کے حالات و کلام کے انتخاب میں بھی اختصار سے کام لیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس تذکرے میں بعض ایسے شعرائے متاخرین کا ذکر بھی مل جاتا ہے جن کے ذکر سے دوسرے تذکرے خالی ہیں۔

اوپر کہا جا چکا ہے کہ آزاد عربی پر بھی پوری مہارت رکھتے تھے اگرچہ اس تذکرے میں ان کی تحریر کا انداز عموماً سادہ ہے لیکن عربی کے الفاظ اور فقرات سے انہوں نے اپنی عبارت کو بیشتر آراستہ کیا ہے۔

آزاد کے دوسرے تذکرے بھی بعض اعتبار سے بہت اہم ہیں لیکن اپنے زمانہ تالیف کی وجہ سے وہ ہمارے مقالے کے دائرے میں شامل نہیں کئے جاسکتے۔

اسکے قلمی نسخے بانکپور، انڈیا آفس اور آصفیہ حیدرآباد کے کاتبانوں اور گڑھی باسین (سندھ) میں محمد ابراہیم صاحب کے ذاتی کاتبانے میں موجود ہیں۔

اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں موجود ہے۔ جس کی کاتب ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں ہوئی۔ اس کے سرورق پر ایک سفید مہر لگی ہے جس پر لکھا ہے "گدا بادشاہ است نامہ گدا ۱۱۵۹"۔

۳۱ - تذکرہ طبیت

اس تذکرے کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں - بھگوان داس ہندی نے اپنے تذکرے میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ شیخ سیف الدین محمد طبیت نخلص نے کہ -

” اصلش از اعیان مشایخ آلکرمین نواب اکبر آباد امت تحصیل
علم متداولہ از عبدالجلیل بلگرامی و دیگر فضلاء نامی نمودہ
صاحب فضل و کمال گشت تذکرۃ الاولیا و تذکرۃ شعرائے نیز
تالیف کردہ در سنہ یکہزار و یکصد و چہل و ہفت در
الہ آباد بامولف ریاض الشیرا صحبت داشتہ -“ (۱)

شیخ طبیت کے بارے میں افتخار دولت آبادی نے اتنی اطلاع دی
ہے کہ اس نے ۱۶ محرم ۱۱۵۵ھ / ۸ مارچ ۱۷۴۲ء میں وفات پائی تھی - ضمناً
بعض اور تذکروں میں بھی طبیت کا ذکر آیا ہے مثلاً شمع انجمن میں ہے -

طبیت کے تذکرے کا کوئی نسخہ هنوز دستیاب نہیں ہو سکا ہے اس
لئے اس کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی ہے -

۳۲۔ تذکرہ ندرت

اس کتاب کا مولف عطاء اللہ علی فطرت منخلص بہ ندرت تھا یہ شخص دانشور خان کے نام سے معروف تھا۔

مولف نے یہ تذکرہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے انیسویں سال جلوس یعنی ۱۱۲۹ھ/۷۳۶ء میں تکمیل کیا تھا۔ اس نے اس کو دو جمن اور سات گلشن اور ایک حدیقہ پر تقسیم کیا ہے۔ یہ شاعروں کا ایک عام تذکرہ ہے۔ جمن اول میں تیسری صدی ہجری کے شاعروں رودکی تا عمادہ مروری کا ذکر ہے۔ جمن دوم چوتھی صدی ہجری کے شاعروں ازامیر آغا جی تا آقا جی ابوالفرج کے حالات پر مشتمل ہے۔

سات گلشنوں میں پانچویں صدی سے گیارھویں صدی ہجری تک کے شاعروں کا حال لکھا ہے۔ حدیقہ یا خاتمہ میں مولف نے بارھویں صدی ہجری کے اپنے معاصر شاعروں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

یہ تذکرہ هنوز غیر مطبوعہ ہے۔ مولف کے حالات بھی کسی تذکرے میں دیکھنے میں نہیں آئے ہیں۔

اسی مصنف کی ایک تالیف فرہنگ آیین عطا بھی بتائی گئی ہے جو بیس برس کی مدت میں اس نے ۱۱۶۲ھ/۷۴۸ء میں مکمل کی تھی۔ مولف کے کلیات اشعار کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن ان کے بارے میں تفصیلات کا علم نہیں ہے۔

۳۲ - تذکرہ شعرائ کشمیر

ملطنت کے زوال کے آثار ظاہر ہونے ہی مختلف علاقوں کے فارسی گوینوں کے تذکرے لکھے جانے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ یہ صورت حال گویا اس امر کی غماز تھی کہ اب ملک کے مختلف حصے مرکز سے علاحدگی پر تولنے لگے تھے۔

یہ تذکرہ اصلاح کشمیری متخلص بہ میرزا کا تالیف کردہ ہے جس کو ۱۱۶۱ھ/۱۷۸۸ء میں لکھا اس شخص نے عالمگیر اورنگ زیب کے وقت سے محمد شاہ بادشاہ کے عہد تک کے شاعروں کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تذکرے کے مشمولات سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ اس کی تالیف کا کام محمد شاہ کے عہد میں ہی ہوا ہوگا۔

اس تذکرے میں کل تین سو پانچ شاعروں کے حالات ملتے ہیں۔ ان میں وہ شاعر بھی شامل ہیں جو ایران اور ہندوستان سے ہجرت کر کے کشمیر میں جا کر رہنے لگے تھے۔

اس کی نثر پر تکلف اور پُر تصنع ہے۔ شاعروں کے حالات بہت مختصر ہیں اور ان میں ایسی باتیں کم ہیں جن سے اس زمانے کے تواریخی حالات کا علم حاصل ہو سکے۔

اس تذکرہ کو ۱۳۲۶ھ/۱۹۶۷ء میں پیر حمام الدین راشدی نے تصحیح و نحشبہ کے ساتھ مرتب کر کے اقبال اکادمی کراچی کی طرف سے چھپوایا ہے۔

۳۲ - بہارستان سخن

اس کتاب کے مولف کا نام میر عبدالرزاق اور خطاب صمصام الدولہ تھا۔ اس کے بزرگ خوف کے رہنے والے تھے۔ اس کے پردادا میر کمال الدین نے شہنشاہ جلال الدین اکبر کے وقت میں ہندوستان کے شاہی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اس کا بیٹا میرک حسین جہانگیر کے عہد میں درگاہ سلطانی میں کسی خدمت پر مامور تھا پھر اس کا بیٹا میرک معین الدین ملقب بہ امانت خان شاہجہان اور عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں دیوانی اور بخشی گری وغیرہ خدمات سے معزز رہا۔ اس امانت خان کے چار بیٹوں نے مراتب عالی پائے تھے۔ انہیں میں سے ایک میر عبدالرزاق بھی تھا۔ جو ۲۹ رمضان ۱۱۱۰ھ / ۶۹۸ء میں لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ اورنگ آباد جا کر آصف جاہ کی ملازمت میں سرفراز ہوا اور ان کے جانشینوں کے زمانے میں خوب ترقیاں پائیں۔ آخر عمر میں صمصام الدولہ کا زوال ہوا اور ۱۱۱۷ھ / ۱۷۵۷ء میں وہ مقتول ہوا۔ صمصام الدولہ نے چار کتابیں اپنی یادگار چھوڑی تھیں۔ انہیں میں سے ایک بہارستان سخن بھی ہے۔ اس کے سبب تالیف میں مولف نے بیان کیا ہے کہ جس وقت وہ کتاب "فوائد الفوائد" لکھ رہا تھا ایک فصل جواز شعر میں لکھنی شروع کی۔ مباحث نکلتے گئے اور بالآخر ایک الگ کتاب کی صورت اختیار کر گئی۔ اس کا نام مولف نے بہارستان سخن رکھ دیا۔ اس کتاب کی ابتدا اگرچہ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۷۷ء میں ہوئی لیکن اس کو مولف کے بیٹے نے ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء میں مکمل کیا تھا۔

بہار سخن کرد گل

۱۱۹۲

ظاہر ہے کہ یہ کتاب ہمارے اس مقالے کی حدود سے باہر ہے اس لئے اس کی تفصیلات کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔

۳۵ - ریاض الشعرا

علی قلی خان بہادر اور والہ تخلص تھا جس کا اعتراف اس نے خود اپنے
اس شعر میں کیا ہے —

جون نالہ من شنید با ہمدم گت
از دست علی قلی ^(۱)بتنگ آمدہ ام

اس کا سلسلہ نسب حضرت عباس سے ملتا ہے جس کا اظہار اس کے مندرجہ ذیل
شعر سے ہوتا ہے —

دارد ز زلف کسوت عباسیان ببر
از دودمان ماست رخ دلستان ما ^(۲)

والہ کے اجداد مین سے کوئی جنگیز خان کے زمانے مین داغستان مین جا کر مقیم
ہوئے تھے پھر وہاں سے صفویوں کے زمانے مین یہ لوگ ایران مین پہنچے - اس
خاندان کا ایک فرد فتح علی خان عہد سلطان حسین میرزا صفوی مین اعتماد الدولہ
خطاب سے وزیر الممالک کل ایران مقرر ہوا - فتح علی خان کو بعض تذکرہ نویسوں
نے والہ کا دادا ^(۳) اور بعض نے چچا ^(۴) کہا ہے - ڈاکٹر عبدالغفار انصاری کی
تحقیق کے مطابق والہ ۱۱۲۲ھ / ۱۷۱۲ء مین پیدا ہوا تھا ^(۵) والہ نے کمسنی
مین شاعری شروع کردی تھی اور وہ شیخ علی حزین کا مرید اور شاگرد ہو گیا -
خوشگو نے لکھا ہے —

(۱) ریاض الشعرا ص ۳۵۵

(۲) دیوان والہ داغستانی ص ۵۸

(۳) زنان سخنور جلد ۱ ص ۲۵۰

(۴) خوشگو کے علاوہ مجمع النفایس خزائنہ عامرہ نتائج الافکار وغیرہ

(۵) علی قلی خان ص ۶۳ بحوالہ ریاض الشعرا

” مرید و شاگرد شیخ محمد علی حنین ہم براہ شیخ می رود “ (۱)

لیکن خود والہ نے اپنے تلمذ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

ایران میں صفویوں پر جب نادر شاہ کو غلبہ حاصل ہوا تو موجودہ حالات والہ کے لئے سازگار نہیں رہ گئے۔ اس میں اس کی چچا زاد بہن خدیجہ سلطان کے ساتھ عشق میں اسکی ناکامی کو بھی دخل ہے جس کی محمود خان افغان نے زبردستی اپنے غلام کرم داد سے شادی کر دی تھی۔ ناچار ۱۱۲۶ھ / ۱۷۴۳ء میں اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس سفر میں بعض مقاموں پر اس کا اور شیخ علی حنین کا ساتھ بھی رہا تھا۔ کچھ دن لاہور میں رہ کر والہ دہلی آگیا۔ اگرچہ والہ نے اودھ الہ آباد وغیرہ کی بھی سیر کی تھی لیکن اس نے زیادہ وقت دہلی ہی میں گزارا۔ یہیں اس نے ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء میں والہ نے رام جنی نامی ایک عورت کے ساتھ جو طویفوں کے ایک فرقے سے متعلق تھی شادی کی۔ جہمالیسی برس کی عمر میں والہ نے ۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء میں وفات پائی۔ تاریخ ہوئی

پیوست برحمت والہ

۱۱۷۰

والہ داغستانی جس زمانے میں دہلی میں آیا تھا اس وقت محمد شاہ بادشاہ تخت سلطنت پر رونق افروز تھا۔ روشن الدولہ اور برہان الملک کے وسیلہ سے والہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ قدر شناس نے اسے چہار ہزار منصب اور ظفر جنگی خطاب سے اس کو میٹرلوزک دوم کا منصب عطا کیا (۲)۔

اسی بادشاہ کے عہد دولت میں والہ نے ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء میں اپنا تذکرہ شروع کیا۔ اسکی تکمیل میں ایک سال لگا۔ (۳) خود والہ نے تاریخ کہی ع

(۱) رضا نقوی ص ۲۹۳

(۲) علی قلی خان ص ۹۵ تا ۹۶

(۳) ریاضی الشمر ص ۲۸۸

ابن تذکرہ جون (۱)

اپنے تذکرے کے سبب تالیف میں والہ نے لکھا ہے -

” غرض اصلی وی ابن ہودہ است کہ تذکرہ عرفات الماشقین
را انتخاب و تلخیص کند و منابع و مأخذ نقی الدین اوحدی
را کلاً بحساب خود بگزارد و در تذکروں نعمت خوبی حق
نعمت را زیاد ہر دہ اورا بیاد انتقاد بگردد و بیجاہ و کم تنبع
قلم داپہی نماید۔“ (۲)

یہ تذکرہ ابوالحسن خرقانی سے شروع ہوا ہے اور یحییٰ خان بکتا کے

ذکر پر ختم کیا ہے۔ (۳)

بظاہر اس تذکرے کی تالیف پر والہ نے جتنی محنت کرنی چاہئے تھی

نہیں کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ

(۱) اس تذکرے میں بہت سے معاصر اور غیر معاصر شاعروں کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) شعروں کی تلاشی پر بھی کما حقہ محنت نہیں کی گئی ہے۔

(۳) والہ کو اپنی زبان دانی پر بہت ناز تھا اس لئے بہت سے شاعروں کے کلام

کو اس نے بے فائدہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا ہے۔ خود والہ کا کہنا ہے کہ

اس تذکرے کے لکھنے کا مقصد شاعروں کے اچھے اشعار کا جمع کرنا ہے۔ چنانچہ اکثر

شعرا کے حالات مختصر اور ان کے ایک دو شعر بطور نمونے کے دیئے ہیں۔

(۴) غزل قصیدہ کے منتخب اشعار اور قطعات و رباعیات تو والہ نے نال

کئے ہیں لیکن مثنویوں کے اشعار کا انتخاب نہیں کیا ہے۔

(۱) علی قلی خان ص ۲۳۵

(۲) گلچین معانی جلد اول ص ۶۵۰

(۳) موزہ ملی ص ۸۰۱

(۵) تذکرے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مولف نے بیان حالات میں ہر شاعر کی شخصیت اور زبانی کلام کا کما حقہ لحاظ رکھا ہے اور جو شاعر واقعی اہل اور مستحق تھے ان کے حالات محنت کے ساتھ اور بہت تفصیل سے لکھے ہیں ۔

(۶) بعض شعرا کے حالات لکھتے وقت ان کے زمانے کے تاریخی حالات بھی دیتے ہیں اور بعض شعرا کے کلام پر تنقید بھی ہے جو اکثر غرضی اور تعصب سے خالی ہے ۔ یہی نہیں بلکہ بعض شعرا کے ذکر کے ذیل میں ان کی تالیفات اور تصنیفات کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے ۔

(۷) فنون شاعری مثلاً عروض و قافیہ اور صنایع بدایع سے متعلق مباحث اس تذکرے کی امتیازی خصوصیات ہیں ۔

ریاض الشعرا میں ان تمام باتوں کے باوجود والہ نے دو ہزار پانچ سو چورائیس مقدم متوسط اور متاخر شاعروں کے حالات لکھے ہیں اور ان کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے ۔ یہ ایک مقدمہ اٹھائیس روضہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے ۔ ہر روضہ میں ایک حرف سے شروع ہونے والے شاعروں کا حال لکھا ہے ۔ والہ کا طرز بیان عام طور سے سادہ اور طاری ہے ۔

اسی تذکرے کے کئی نسخے ملتے ہیں ۔ ڈاکٹر عبدالغفار انصاری نے سولہ نسخوں کا تعارف کرایا ہے ۔

یہ تذکرہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی طرف سے شایع ہوا ہے ۔ (۱)

باب دوم

نودریافت تذکرہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جناب احمد گلجین اور ڈاکٹر رضا نقوی وغیرہ
ساحبان نے فارسی گوینوں کے تذکروں کی تلاش اور ان کے تعارف میں کوئی دقیقہ اٹھا
نہیں رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات کی محنت اور کاوش ہر طرح لایق
تحسین بلکہ قابلِ صدر شک ہے لیکن مشہور ہے کہ ع
کار دنیا کی تمام نہ کرد

علمی معاملات میں دعوے کرنا بڑی نازیبا بلکہ نادانی کی بات ہے۔ بھول چوک اور
مہو و خطا کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔

راقم مطور نے مختلف حضرات کی مرتب کردہ ہندوستان و پاکستان کے متعدد
کتب خانوں کی فہرستوں کی ورق گردانی کی اور ان فہرستوں سے اپنے اس کام کی
تکمیل میں مدد لی ہے۔ دورانِ مطالعہ مجھے تین ایسے تذکروں کے قلمی نسخوں
کا ذکر ملا جن کا نام تذکروں کے مورخین کی کتابوں میں نہیں آیا ہے۔ اگرچہ اصل
تذکرے میری نظر سے نہیں گزرے ہیں فہرست سازوں کے بیانات پر یقین نہ کرنے کی
ہرگز کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

چونکہ یہ تینوں ایسے تذکرے ہیں جن کا حال مورخین نے نہیں لکھا ہے۔
موجودہ معلومات پر ان کو اغافے کی حیثیت حاصل ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا
کہ ان کا حال الگ لکھا جائے چنانچہ یہ دوسرا باب قائم کیا گیا ہے۔ اس اغافے
کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تذکروں کی فہرست مکمل ہوگی۔ خدا کا ملکہ
بہت وسیع ہے اور اس کا پورا امکان ہے کہ آئندہ کسی کتابخانے میں فارسی شعرا کا
کوئی اور تذکرہ بھی مل جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے ہمارے علم میں اغافہ ہوگا
اور ہر اغافے کا ہمیں نہایت خوشی کے ساتھ خبر مقدم کرنا چاہئے کہ علم کی ترقی
کی یہی صورت ہے۔

۱۔ مذکر الاحباب

اس کا مولف سید حسین خواجہ نقیب الاشراف ثاری بخاری ہے۔

اس کے زمانہ تالیف میں اختلاف ہے قیاماً ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء یا ۱۰۰۵ھ /

۱۵۹۶ء کے درمیان کسی سال میں لکھا گیا ہوگا۔

یہ امیر علی شیرنوی کے تذکرہ "مجالس النفایس" کا تتمہ اور نکلہ ہے۔

اس میں دسویں صدی ہجری کے ۲۸۳ ان شاعروں کے حالات مذکور ہیں جو

خراسان ماورالنہر اور ہندوستان وغیرہ ممالک میں رہتے تھے۔ (۱)

۲۔ ترجمہ مجالس النقاہیں

اس کی تالیف کا سال ”ترکی بفارسی“ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ۹۸۳ھ /
۹۸۳

۱۵۷۵ء میں امیر علی شیرنوی کے ترک تذکرہ ”مجالس النقاہیں“ کا فارسی میں

ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام اور حال معلوم نہیں ہے (۱)

اس کا ایک ناقص اولال قلمی نسخہ جو محمد صالح بن یوسف الحاجی

البخاری کے گیارہویں صدی ہجری میں لکھا تھا ملتا ہے۔

آغاز۔ ایشان در دفاتر ایام وصحافت دوران مکتوب موسطور باشد۔۔۔۔۔

یہ قلمی نسخہ جناب سید عارف نوشاھی کے بیان مطابق موزہ ملی پاکستان

کراچی میں محفوظ ہے۔

۳۔ چارباغ

یہ تذکرہ نصرآبادی و تحفہ سلامی، دیوان کلیم اور دیوان سلیم کا

مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کو محمد مقیم بن حاجی کمال صفہانی نے ۱۱۵۷ھ /
۱۷۴۲ء میں یکجا کر کے خود لکھا ہے۔ (۱)

تذکرہ چارباغ کا قلمی نسخہ جناب سید عارف نوشاھی کے بیان کے مطابق

موزہ ملی کراچی پاکستان میں موجود ہے۔

ضمیمہ اول گلدستہ

فارسی اور اردو میں شاعروں کے نام اور کلام کے انتخاب پر مشتمل گلدستے تیار کرنے کی ایک قابل توجہ روایت چلی آئی ہے۔ گلدستوں میں شاعروں کے حالات کے مقابلے میں کسی خاص قسم زمانے یا علاقے سے متعلق کلام کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ گلدستے شاعروں کے ذکر اور واقعات پر مشتمل نہ ہونے کی وجہ سے تذکروں سے مختلف ہوتے ہیں۔

ان میں مختلف شاعروں کا جو کلام مندرج ہوتا ہے اس میں کسی نہ کسی نوعیت سے مناسبت کی صورت ضرور ہوتی ہے اور اس اعتبار سے یہ گلدستے اپنے مزاج اور نوعیت کے اعتبار سے بیاضوں سے بھی الگ ہوتے ہیں۔

اگرچہ اصولاً کسی گلدستے کا تعارف کرانا اور اسکی قدر و قیمت کا تعین کرنا ہمارے موضوع کے دائرے سے باہر ہے محض اس بنا پر کہ گلدستے اور تذکرے کے فرق کو محسوس کیا جاسکے محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد تک مرتب کئے جانے والے ایک گلدستے کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔

فارسی زبان میں جو گلدستے مرتب ہوئے ان میں ابھی کی معلومات کے مطابق سب سے قدیم "گلدستہ" جو تاجالہما علیہ السلام کا ہے وہ ہے جس کا مرتب عبدالوہاب عالمگیری ابن سید منصور خان تھا۔ یہ عبدالوہاب سید دلاور خان کا نواسہ اور غیاث الدین خان ابن جغتو الملک اسلام خان مشہدی کا پوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالوہاب نے خاص لمبی عمر پائی تھی۔ اس کے نام کے ساتھ عالمگیری کا لاحقہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں قابل توجہ منصبداروں میں سے تھا۔ اس نے اپنا گلدستہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں مرتب کیا یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اس زمانے تک اس

کا علمی شوق جوان تھا لیکن غالباً بڑھاپے کی وجہ سے وہ کوش منضبط تصنیفی کام نہیں کر سکتا تھا ۔

نقی اوحدی نے اپنے تذکرے عرفات الماشقین کا ایک خلاصہ انتخاب "کعبہ عرفان" کے نام سے تیار کیا تھا ۔ وہی انتخاب عبدالوہاب کو مل گیا اور اس نے اس انتخاب کی بنیاد پر ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء میں یہ گلدستہ مرتب کر ڈالا ۔ (۱)

فی الوقت بہ دعا کرنا مناسب نہیں ہے کہ اس قسم کی تالیف کے لئے "گلدستہ" کی اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے عبدالوہاب ہی نے کیا تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ شعروں کا گلدستہ تیار کرنے کا تصور عبدالوہاب کے زمانے میں نیا ضرور تھا ۔

عبدالوہاب نے اپنے گلدستے میں مختلف موضوعات کو عنوان بنا کر ان کے تحت شاعروں کے کلام کو جمع کیا ہے ۔ اس نے ان عنوانوں کو الف با کی ترتیب سے لکھا ہے پھر ہر عنوان کے تحت جن شاعروں کے کلام کو درج کیا ہے ان کے تخلصوں کو بھی حروف نہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ مختلف موضوعات کو عنوانات کا درجہ دے کر ان کے تحت مختلف شاعروں کے کلام کو جمع کر دینے سے ہی عبدالوہاب کی تالیف کو گلدستہ اشعار بنا دیا ہے ۔

کتاب کے آخر میں عبدالوہاب نے شاعروں کے حالات بھی اختصار کے ساتھ لکھ دیے ہیں ۔ اور عمر خیام کی چند رباعیات اپنی طرف سے بڑھادی ہیں ۔ دراصل یہی حالات اس گلدستے کو تذکروں کی فہرست میں شامل کر لینے کے لئے جواز پیدا کر دیتے ہیں ۔

عبدالوہاب عالمگیری کا یہ گلدستہ هنوز غیر مطبوعہ ہے اور اس کا واحد فلمی نسخہ کتاب خانہ بانکی پور میں موجود ہے ۔

۲۔ میخانہ (عشاق)

مولف نے اس تذکرے میں اپنے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ (۱) جنانچہ ان کا خلاصہ اس طرح ہے۔

مولف کا نام عبدالنبی خان فخرالزمانی تخلص عزتی اور نبی ہے۔ اس کا باپ خلف بیگی قزوین میں تجارت پر بسر کرتا تھا اور صوفی مشرب شخص تھا البتہ اس نے شعر کبھی نہیں کہے تھے۔ حج ادا کرنے کے بعد اپنے وطن میں جاکر ترک دنیا ہو گیا اور باقی عمر درویشی اور خدا پرستی میں گزار دی۔ ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء میں طاعون کے مرض میں اس نے وفات پائی تھی۔ عبدالنبی کے دادا کا نام فخرالزمان تھا جسے قزوین کی قضا کا منصب حاصل تھا اس کا سلسلہ نسب خواجہ عبداللہ انصاری سے ملتا ہے۔ اسی نسبت سے مولف خود کو "فخرالزمانی" کہتا ہے۔

عبدالنبی نے ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء میں قزوین میں آنکھیں کھولی تھیں اور وہیں سن نمبرز کو پہنچا تھا۔ اسے اوایل عمر ہی سے شعر گوئی اور داستان سرائی کا شوق تھا اپنا وقت شاعروں کی صحبت میں گزارتا تھا۔ اس ابتدائی زمانے میں وہ عزتی تخلص کرتا تھا۔ اس کا حافظہ اچھا تھا جنانچہ قصہ امیر حمزہ کو ایک مرتبہ سنکر اس نے حفظ کر لیا تھا۔ اس کا حال یہ تھا کہ اگر کسی محفل میں اس کے سامنے سو شعر پڑھے جاتے تھے تو گھر آکر وہ ان میں سے تقریباً ستر کو لکھ لیتا تھا۔

انیس برس کی عمر میں وہ مشہد مقدس کی زیارت کے لئے گیا تھا وہاں کے تاجروں سے ہندوستان کا ذکر سنکر اسے بھی اس ملک میں آنے کا شوق پیدا ہوا۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں ۱۰۱۸ھ / ۱۶۰۹ء میں بیماری کے باوجود وہ قندھار سے لاہور گیا۔ چند ماہ وہاں رہ کر اپنے اعزامین سے ایک کے

واسطے سے آگے پہنچا کچھ مدت رہ کر ۲۳-۲۲ھ / ۱۲-۱۱۳۳ء میں شاہی لشکر کے ساتھ اجمیر پہنچا۔ وہاں مسیح بیگ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ مسیح بیگ اس کی ذہانت اور بدبہہ گوئی سے نہایت متاثر ہوا اور اس نے اس کو اپنی سرکار میں کتابداری کے منصب پر مقرر کر دیا۔ یہاں عبدالنہی کو کتابوں کے مطالعے کا موقع ہاتھ آگیا اور اس نے نین کتابوں کا منصوبہ بنایا یعنی دستور الفصحا، نوادر الحکایات یا بحر النوادر اور میخانہ۔ ان میں سے سب سے پہلے اس نے میخانے کی تالیف کا کام شروع کیا۔ اسی زمانے میں وہ بیمار ہوا اور مسیح بیگ سے ۲۲ھ / ۱۱۵۵ء میں اجازت لے کر اجمیر سے لاہور چلا گیا پھر وہاں سے کشمیر پہنچا۔ یہیں اس نے ۲۵ھ / ۱۱۶۶ء میں کتاب دستور الفصحا مکمل کی۔

۲۶ھ / ۱۱۷۷ء میں عبدالنہی مانڈو گیا پھر ۲۷ھ / ۱۱۷۸ء میں پٹنہ پہنچا وہاں عبداللہ خان فیروز جنگ نے اس کے ساتھ اتنا احسان کیا کہ اس نے ۲۸ھ / ۱۱۷۹ء میں اپنی کتاب میخانہ کو مکمل کر کے اس کے نام سے معنون کر دی۔ اسی زمانے میں اس نے ایک ساقی نامہ لکھا جس میں بنی تخلص نظم کیا۔

۲۹ھ / ۱۱۷۹ء میں عبدالنہی کے گھر کو آگ لگ گئی اور بیشتر مسودات جل گئے۔ شدید مایوس کے عالم میں وہ آگے چلا گیا۔ اس کے بعد کے اس کے حالات دستیاب نہیں ہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۱ھ / ۱۱۸۱ء میں زندہ تھا اور اسی سال اس نے نوادر الحکایات کا دیباچہ لکھا تھا۔

بطور مجموعی وہ معمولی درجے کا صاف گو شاعر تھا اور اس کی بیشتر تصانیف دستیاب نہیں ہیں۔ کتاب میخانہ کے دیباچہ میں اس نے لکھا ہے کہ —

”ابن ضعیف درد دار الامادہ ہندوستان بخاطر رسانید کہ تالیفی
چند از سخنان اکابر بر سبیل یادگار ترتیب دادہ بر عطفہ روزگار

بگذار اول رای برآن قرار گرفت کہ ساقی نامہ های متقدمین
و متاخرین آنچه بدست آید تمام جمع کردہ با احوال خبر
مال قبالان آن اشعار بر بیاضی بردہ نام آنرا "میخانہ" قرار
دہد۔ (۱)

تکمیل کتاب (۲) کی تاریخ اس نے اسطرح کہی ہے —
عقل آورد ازی تاریخ آن
بادہ در میخانہ اندانہ ی

اس کو مکمل کرنے کے بعد ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء میں عبدالنبی کو دو ساقی نامے اور
دستیاب ہوئے جنانچہ اس نے ان کو بھی کتاب میں شامل کر دیا۔ اس زمانے
میں مولف نے کتاب میں بعض دوسرے مقاموں پر بھی اضافے کئے ہیں اس طرح
کتاب کے موجودہ متن کو اسی سال کا خیال کیا جانا چاہئے۔

عبدالنبی اس کتاب میخانہ کو "حاصل عمر" سمجھتا تھا اور اس نے اسے
"مجموعہ اخبار و بیاضی سخن" قرار دیا ہے۔ (۳) اگرچہ مولف نے اس میں شاعروں
کے حالات بھی بہت محنت سے قلمبند کئے ہیں لیکن اس تالیف سے اس کا مقصد
ایسی نظموں کو جو ترکیب بند یا ترجیع بند کی صورت میں ساقی نامہ کے طور پر لکھی
گئی ہیں یکجا کر دیا تھا اسلئے اس مجموعے کو بھی گلدستوں کے سلسلے میں شمار
کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کتاب کو مولف نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اسطرح —

(۱) تذکرہ نویس فارسی در ہندو پاکہ ص ۱۷۴

(۲) ایضاً

(۳) میخانہ ص ۹۲۲

۱۔ مرتبہ اول - اس مین ان انتیس شاعروں کا حال اور کلام لکھا ہے جو اس کتاب کی تالیف سے پہلے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ ان شاعروں کو مولف نے ان کے سالِ وفات کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ ان مین سے بیشتر شاعروں تھے جن سے مولف کی ملاقات ہو چکی تھی اس لئے اس نے جو حالات لکھے ہیں وہ زیادہ قابلِ اعتنا ہیں۔

۲۔ مرتبہ ثانی - اس مین تیس ایسے شاعروں کے حالات ہیں جو میخانے کی تالیف کے وقت زندہ تھے ظاہر ہے یہ سب مولف کے ہم عصر تھے اور ان کے بارے مین مولف کی معلومات زیادہ مفصل تھیں۔ مولف نے خود اپنا ذکر بھی اس جزو مین کیا ہے۔

۳۔ مرتبہ سوم - اس مین اڑتیس ایسے شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے کتاب کی تالیف سے پہلے تک کوئی ساقی نامہ نہیں لکھا تھا اور مولف نے ان سے ملاقات کی تھی۔

اس کتاب "میخانہ" کی اہمیت درج ذیل وجود سے زیادہ ہے۔

۱۔ مولف نے شاعروں کے حالات نسبتاً زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ شاعر کا نام، نسب، علمی استعداد، سیر و سیاحت اور مولف سے ملاقات کے وقت شاعر کی عمر وغیرہ کے علاوہ اس کی منظومات کی تفصیل ساقی نامہ کا نمونہ، شاعر کا سالِ وفات اور مدفن وغیرہ کے ذکر کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

۲۔ یہ ساقی نامے جمع کرنے کی پہلی کوشش ہے اس کتاب کی تالیف کے بعد ساقی نامے کو ایک الگ صنف شاعری کی حیثیت سے زیادہ رواج حاصل ہوا۔

۳۔ مولف نے کلام کی تلاش اور فراہمی مین محنت کی ہے اور چونکہ وہ زمانی ترتیب پر بھی زور دینا چاہتا تھا اس نے شاعروں کے حالات بھی بہت تحقیق و تدقیق

کے ساتھ قلمبند کئے ہیں - یہ کام اس نے شعری طور پر کیا ہے چنانچہ اس کتاب میں اس نے خود کو "محقق اخبار" کہا ہے۔ (۱) جن شاعروں سے مولف نے ملاقات کی تھی ان کے حالات اس نے "از قول خود شان" اور "از کلمان و دوستان ایشان" اخذ کئے ہیں اور جن لوگوں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی تھی ان کے حالات "از روی اسناد ارباب خرد و از قول مردم معتبر" نقل کئے ہیں - اس قدیم زمانے میں ان اصولوں پر عمل کرنا یقیناً بہت بڑی بات تھی -

۴- اس کتاب میں مولف نے پچاس سے زائد ساقی ناموں کے علاوہ فارسی کے ہزاروں منتخب شعروں کو محفوظ کر دیا ہے جو بہت قابل قدر کارنامہ ہے - قدرتی طور پر اس کتاب میں کئی ایسے ساقی نامے بھی محفوظ ہیں جو کسی دوسرے ماخذ میں نقل نہیں ہوئے ہیں -

یہ عبرت کا مقام ہے کہ ان خوبوں کے باوجود کتاب میخانہ کو شہرت حاصل نہیں ہو سکی - یہ کارنامہ مولانا شبلی نعمانی کا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے اپنی کتاب شعر المعجم جلد اول میں اس کا تعارف کرایا (۲) مولف کا طرز تحریر اکثر سادہ اور روان ہے البتہ جن مقاموں پر بادشاہوں اور شاعروں وغیرہ کی تعریف کی ہے عبارت پر تصنع ہو گئی ہے - بعض جگہوں پر مولف نے نثر مقفی بھی لکھی ہے -

یہ خوش کی بات ہے کہ یہ تذکرہ ایک سے زائد بار چھپ کر شایع ہو چکا ہے پہلی مرتبہ اسے پروفیسر محمد شفیع نے لاہور سے ۱۳۲۸ھ / ۱۹۲۶ء میں چھپوایا تھا لیکن وہ نسخہ ناقص تھا -

دوسری مرتبہ احمد گجین معانی نے زیادہ اہتمام کے ساتھ نہران سے ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء میں اسے چھپوایا ہے - اس میں نسخہ لاہور کے اکثر نقائص دور کردئے گئے ہیں -

(۱) میخانہ ص ۱۸۱

(۲) شعر المعجم ج اول ص

اس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ میں بھی ہے جس
کی کاتب ۱۰۳۶ھ / ۲۷-۶۲۶ء میں ہوئی تھی۔ اس کی ضخامت ۲۰۴
صفحات پر مشتمل ہے۔

ضمیمہ دوم

انتخابات

شعروں کے انتخاب تیار کرنا اور تذکرہ نویسی دو مختلف کام ہیں ۔
تذکرہ نویسی میں مولف کی توجہ شاعر کے ذکر کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور انتخابات
تیار کرنے والے کو شعروں کی کیفیت اور نوعیت سے کام ہوتا ہے ۔

شعروں کے انتخابات کی بھی کئی صورتیں ہوتی ہیں چنانچہ یادداشتیں
بیاضی اور گلدستے وغیرہ بھی اس ذیل میں آتے ہیں ۔ یادداشتوں کا معاملہ تو
ظاہر ہے کہ کسی واقع سے متعلق یا موقع کی مناسبت سے کوئی شعریا بات ایسی
مربوط ہو جائے جو اہم دلچسپ مفید یا یاد رکھنے کے لائق ہوتا ہے اسے کاغذ کی
امانت میں دے کر محفوظ کر لیتے ہیں ۔

بیاضوں میں اپنی پسند یا ضرورت کے مطابق ایک یا زائد شاعروں کے
اشعار یا کلام کو قلمبند کر لیا جاتا ہے ۔ یادداشتوں کی طرح بیاضوں کی تالیف
کا کام بھی ایک طویل مدت تک جاری رہ سکتا ہے اور دونوں کے مختلف اندازوں
کے مابین ربط و مناسبت کا ہونا لازم نہیں ہے ۔

انتخاب لازماً کسی مقصد سے کیا جاتا ہے چونکہ کام کا آغاز اور انجام
ایک متعین مقصد کے تحت ہوتا ہے انتخاب میں اول سے آخر تک یکسانی مناسبت
اور ربط کی صورت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ کسی انتخاب کی نوعیت اور افادیت کا
تعین بھی اس کے مقصد ہی سے ہوتا ہے ۔

شعروں کے انتخاب کرنے والوں میں سے بیشتر نے شاعروں کے کلام کو
اس خیال سے مرتب کیا ہے کہ شاعروں کا تعارف اور ان کے فکر و بیان کے انداز
محفوظ ہو جائیں ۔ یہ مقصد اپنی نوعیت کے اعتبار سے تذکرہ نویسی سے قریب تر

ہے اس لئے تذکرہ نویسی کی تاریخ لکھنے والوں نے عموماً انتخاب اور تذکرہ کے فرق کو نظر انداز کر کے انتخابات کو بھی تذکروں کی فہرست میں شامل کر لیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مورخ کے لئے لازم ہے کہ وہ مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر رکھے تاکہ گتھلک اور شترگریگی کی صورت نہ پیدا ہو سکے۔ فارسی میں انتخابات کی تیاری کا سلسلہ کافی پہلے شروع ہو چکا تھا اگرچہ انتخابات کا تعارف اور ان سے متعلق ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں لیکن چونکہ بیشتر مورخین نے ان کا ذکر کیا ہے ہمارے لئے بھی لازم ہوا کہ اہم تر انتخابات کا یہاں تعارف کرادیا جائے۔

۱۔ خلاصۃ الاشعار

مولانا علی نقی ولایت کمرہ کا رہنے والا تھا نقی نخلص کرتا تھا۔ ابتدائی عمر میں سلیقے کے ساتھ معمرے کہتا تھا پھر فصیح الدین کاشی کی صحبت میں رہ کر اقزان و امثال سے آگے نکل گیا۔ طبیعت غزلہا ی عاشقانہ کی طرف مایل تھی۔

احمد گلچین معانی نے اس کی تالیف کا ذکر "خلاصۃ الاشعار (خلاصہ و منتخب)" کے عنوان سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ

"قسمت متقدمین تذکرہ" خلاصۃ الاشعار از داستان های ملاحتگی
عشقی پیراستہ در تراجم آنان فقط حقایق تاریخی و منتخبات
اشعار را آورد واست۔" (۱)

اور داخلی شہادتوں سے اس کا زمانہ تالیف ۱۱۶۰ھ / ۱۶۰۷ء مقرر کیا ہے۔
ظاہر اس تالیف کو تذکروں کے بجائے "منتخباب" کی ذیل میں رکھنا مناسب
تر ہے۔

۲ - سفینہ علی حزین

شیخ محمد علی حزین لاہجی فارسی کے نہایت مشہور شاعروں میں سے تھے۔ انہوں نے ایک سو ستر شاعروں کا ذکر حروفِ نہجی کی ترتیب سے کیا ہے لیکن اس میں صرف کاف تک کے شاعروں کا ذکر ہے۔ اس میں پہلا شاعر اہل شیرازی ہے اور کمال الدین حسین ضمیری اصفہانی پر ختم کیا ہے۔ اس مجموعہ میں بعض شاعروں کے صرف اشعار لکھے ہیں اور بعض کے حالات بھی لکھے ہیں۔ حزین نے شاعروں کے سال وفات اور اس مجموعے کی تالیف کے زمانے کا بھی ذکر نہیں کیا ہے اس لئے اسکو بھی تذکرے کے بجائے "منتخبات" میں شمار کرنا مناسب تر ہے۔

یہ مجموعہ سفینہ علی حزین کے نام سے دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے ۱۲۲۸ھ/۱۹۳۰ء میں ایک سو دو صفحات پر چھپ گیا ہے۔

۳۔ تذکرہ ناظم تبریزی (نظم گریدہ)

محمد صادق ناظم تبریزی شاہ عباس الحسینی کے عہد میں ہندوستان میں آیا تھا اور اس نے متقدمین و متاخرین کے کلام کا ایک انتخاب تیار کیا تھا کہتے ہیں کہ واپسی میں مسندرمین ڈوب کر وفات پائی۔ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ یہ بہت اچھا شاعر تھا۔

ناظم نے اپنی کتاب کے سبب تالیف میں خود یہاں کہا ہے کہ —
 "دراول سنہ ہزار و بیست و ہشت ----- درد ارا السلطنت صفاہان
 ----- طبع ہمایون ان شاہ دین پناہ (شاہ عباس) را مہلی باشماع
 اشعار بہم رسید -----

فقیر حقیر محمد صادق الشہیر بہ ناظم، التبریزی ----- ہمت برین
 گماشت کہ دواوین متقدمین و متاخرین را ورق بہ ورق و بیت بہ
 بیت گردیدہ منتخبی از ان جملہ کہ لایق آن بزم بہشت آیین تواند
 بود فراہم آورد ----- بعد از مدت بسیار ----- در عتبہ خیر
 البلاد مکہ معظمہ ----- بتاریخ ہزار و سی و شہر در ترتیب این
 مجموعہ لطایف و گدستہ ظرایف برین نہج اقدام نمود کہ مجموعہ
 آن را بہ دو باپ و ہر بابی را بہ دو فصل محبوب و مفصل گردانید
 و اسمی شعرا/ بہ ترتیب حروف نہجی مرتب داشت ----- چون
 کشش خاطر ہمایون ظل الہی بجانب اشعار عاشقانہ بیشتر بود لہذا
 بغیر از غزل و رباعی شعری در این سفینہ مندرج نہ ساخت۔" (۱)
 اس کتاب کے مال تکمیل کے عدد نظم گریدہ سے برآمد ہوتے ہیں۔
 ۱۰۳۶

جناب احمد گلچین معانی نے ناظم کی کتاب کا ذکر "تذکرہ ناظم تبریزی" کے نام سے کیا ہے۔ (۱) لیکن اقتباس بالا میں خود مصنف نے اس کے لئے کہیں لفظ تذکرہ کا استعمال نہیں کیا ہے۔ پھر اس کے مشمولات پر بھی نظر کرنے کی ضرورت ہے جو اس طرح ہیں -

باب اول -

فصل اول - منتخب غزلیات فصحاٰی قدما و متوسطین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان -

فصل دوم - منتخب غزلیات بلغای متأخرین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان -

باب دوم -

فصل اول - منتخب رباعیات فصحاٰی قدما و متوسطین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان

فصل دوم - منتخب رباعیات بلغای متأخرین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان -

مولف نے کتاب کو "نظم گردہ" کہا ہے (۲) چنانچہ اس کتاب کو تذکروں کے بجائے انتخابوں میں شمار کرنا زیادہ مناسب ہے۔

مولف نے شاعروں کے حالات کی تلاش و تحقیق میں بالکل محنت نہیں کی ہے بیشتر کے حالات ماقط الاعتبار ہیں۔ انتخاب کلام میں بھی اس نے قدما کے قصیدوں کے اشعار غزلوں کے ساتھ لکھ دیے ہیں لیکن یہ بات غالباً بہت زیادہ قابل اعتراض نہیں ہے کیونکہ قصیدوں کی تشبیب کو اکثر شعرا نے غزل بھی کہا ہے اور تشبیب کے شعروں کا مزاج اکروہی ہوتا ہے جو غزل کا ہوتا ہے۔

(۱) گلچین ص ۳۸۳ جلد اول

(۲) ایضاً

جناب احمد گلچین معانی نے ناظم کی کتاب کا ذکر "تذکرہ ناظم تبریزی" کے نام سے کیا ہے۔ (۱) لیکن اقتباس بالا میں خود مصنف نے اس کے لئے کہیں لفظ تذکرہ کا استعمال نہیں کیا ہے۔ پھر اس کے مشمولات پر بھی نظر کرنے کی ضرورت ہے جو اس طرح ہیں۔

باب اول —

فصل اول - منتخب غزلیات فصحاٰی قدما و متوسطین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان -

فصل دوم - منتخب غزلیات بلغای متأخرین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان -

باب دوم —

فصل اول - منتخب رباعیات فصحاٰی قدما و متوسطین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان

فصل دوم - منتخب رباعیات بلغای متأخرین و برخی از احوال خجستہ مال ایشان -

مولف نے کتاب کو "نظم گردہ" کہا ہے (۲) چنانچہ اس کتاب کو تذکروں کے بجائے انتخابوں میں شمار کرنا زیادہ مناسب ہے۔

مولف نے شاعروں کے حالات کی تلاش و تحقیق میں بالکل محنت نہیں کی ہے بیشتر کے حالات ماقط الاعتبار ہیں۔ انتخاب کلام میں بھی اس نے قدما کے قصیدوں کے اشعار غزلوں کے ساتھ لکھ دیے ہیں لیکن یہ بات غالباً بہت زیادہ قابل اعتراض نہیں ہے کیونکہ قصیدوں کی تشبیہ کو اکثر شعرا نے غزل بھی کہا ہے اور تشبیہ کے شعروں کا مزاج اکثر وہی ہوتا ہے جو غزل کا ہوتا ہے۔

(۱) گلچین ص ۳۸۳ جلد اول

(۲) ایضاً

ناظم کی یہ تالیف ہنوز غیر مطبوعہ ہے لیکن اس کی افادیت میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس تذکرہ کا تعارف پروفیسر نذیر احمد نے معارف اعظم گڑھ کے جولائی ۱۹۵۷ء کے شمارے میں کرایا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ میں موجود ہے۔ جس کی کاتب ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں ہوئی۔

۴۔ منتخب الاشعار

اس انتخاب کے مولف کا نام میرزا کاظم اور مبتلا تخلص تھا اس کو نواب صفدر جنگ نے مردان علی خان کا خطاب عطا کیا اور وہ اس خطاب سے مشہور ہوا۔

مبتلا کے والد کا نام میرزا محمد علی خان بہادر اور دادا کا محمد (۱) المشہدی یا میر کرم علی (۲) خان مشہدی تھا میر کرم علی سعادت خان برہان الملک کے ساتھ معزالدین جہاندار شاہ کے عہد میں خراسان سے ہندوستان میں آیا تھا۔

ان کی وفات کے بعد میرزا محمد علی نواب صفدر جنگ کی خدمت میں اودھ میں آکر رہنے لگے پھر کچھ مدت تک مرشد آباد اور عظیم آباد میں بھی رہے۔

تذکرہ روز روشن میں ہے کہ مبتلا ۱۱۲۲ھ / ۱۷۳۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے لیکن پروفیسر مسعود حسن رضوی نے خود مبتلا کے تذکرے کے حوالے سے لکھا ہے کہ "ان کا سال ولادت ۱۱۲۰ھ / ۱۷۲۷ء قرار پاتا ہے۔" (۳)

مبتلا کی نشوونما بقول عشق دہلی میں ہوئی تھی لیکن ان کے ایک استاد کا نام موہوی وجیہ الدین نظام آبادی جونپوری بتایا گیا ہے۔ نظام آباد ایک چھوٹا

(۱) گلشن سخن ص ۲۸

(۲) گلشن سخن ص ۲۹

(۳) روز روشن ص ۶۰۲ نتائج الافکار وغیرہ

ما قسبہ ضلع اعظم کڑھ مین ہے ممکن ہے کہ یہ عہد محمد شاہی مین جونپور کی سرکار مین رہا ہو اور اسی تعلق سے ان کو نظام آبادی جونپوری کہا گیا ہو۔

مبتلا آخر عمر مین لکھنؤ سے عظیم آباد چلے گئے تھے۔ عشقی کا کہنا ہے کہ "از لکھنوبہ عظیم آباد رفتہ اوقات می گذرانید۔" (۱)

تذکرہ روز روشن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مین ۱۲۱۲ھ/۷۹۷ء مین

میرے۔

مبتلا نے اپنے تذکرہ فارسی کے دیباچے مین لکھا ہے کہ "ہم دران ایام تذکرہ مسعی بہ گلدستہ معانی کہ مشتمل برانتخاب اشعار فارسی سخن پرداز قدیم و جدید واختصار بیان احوال آنها است ترتیب داد۔" (۲)

اس سلسلے مین اس کے یہ اشعار بھی توجہ طلب ہیں۔

معانیست ازین منتخب منتظم * شود ظاہرت گرنجوانی ودانی
نمودم بہ مسعی جمع اشعار رنگین * بہ رنگینیش می رس گریخوانی
مکن ہررہ گردی کہ من فکر کردم * پی سال تالیف نظم معانی (۱۱۶۱ھ)

کاتب نسخہ کے الفاظ بھی قابل توجہ ہیں۔

"حسب الاشارہ۔۔۔۔۔ مولانا محمد وجیہ الدین ابن تذکرہ الشعرا مسعی
بہ منتخب الاشعار کہ از مولفات۔۔۔۔۔ مردان علی خان ملکہ الرحمان است
سمت تحریر یافت وکان ذالک فی سلخ محرم الحرام ۱۱۶۶ھ۔" (۳)

(۱) نقوی ص ۳۱۲

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

یعنی تذکرے کی کتابت محرم ۱۱۶۶ھ / ۷۵۲ء میں مکمل ہوئی تھی۔
تذکرے کا نام منتخب الاشعار اور لفظ "منتخب" پہلے شعر میں بھی آیا ہے۔
تذکرے کا سال تکمیل نظم معانی سے ۱۱۶۱ھ / ۷۴۸ء برآمد ہوتا ہے۔ نظم
معانی کو خود مصنف نے بھی تذکرے کا تاریخی نام نہیں کہا ہے البتہ سبب تالیف
میں اس نے اس تذکرہ کو "گلدستہ معانی" کہا ہے۔

تذکرہ منتخب الاشعار میں سات سو گیارہ شاعروں کا نام اور کلام مندرج
ہے۔ مولف نے شاعروں کے حالات اختصار سے لکھے ہیں البتہ اشعار کے انتخاب
میں اپنی خوبی مذاقی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ یہی کام وہ ہے جو اسے مطلوب
نہا چنانچہ اس کے اس جملے سے بھی ظاہر ہے کہ

"گلدستہ معانی کہ مشتمل برانتخاب اشعار فارسی۔" (۱)

اس مناسبت سے اس تذکرے کا نام منتخب الاشعار رکھا گیا ہے۔

اس تذکرے میں بھی مبتلا نے شاعروں کے حالات کو الف بامی کی ترتیب
سے قلمبند کیا ہے۔ یہ تذکرہ بھی ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

۵ - منتخب حاکم

یہ کتاب جو بظاہر نامکمل ہے انتخابات ہی کے سلسلے کی ہے۔ منتخب حاکم سے ۱۱۶۱ کے عدد برآمد ہونے میں اس لئے خیال کیا گیا ہے کہ مولف نے یہ انتخاب ۱۱۶۱ھ/۴۸ء میں تیار کیا ہوگا۔

مولف کا نام ملا عبدالحکیم لاہوری اور تخلص حاکم تھا۔ اس شخص کو تذکرہ نویس سے بہت دلچسپی معلوم ہوتی ہے چنانچہ چند سال کے بعد اس نے اپنے معاصر فارسی گو شاعروں کا ایک تذکرہ "مردم دیدہ" کے نام سے مرتب کیا تھا اور مع یہ ہے کہ اس تذکرے نے اس مولف کو لافانی شہرت عطا کر دی ہے۔

منتخب حاکم میں آفرین، آزاد، امیر، ارزو کے کلام کا انتخاب اور مختصر حالات ملتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ایک تکمیلہ بھی ہے جو میر عبدالحی اور شیخ نور محمد کے ذکر اور کلام پر مشتمل ہے۔ حاکم نے اپنے تذکرے مردم دیدہ میں پہلے چاروں شاعروں کا ذکر تو شامل کیا ہے لیکن میر عبدالحی اور شیخ نور محمد کا حال نہیں لکھا ہے۔ ان دونوں کے ذکر کو تذکرہ مردم دیدہ میں شامل نہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی۔

یہ رسالہ منتخب حاکم ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ صرف چھ اشخاص کے ذکر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غالباً اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب ذوق اور صاحب علم معاصر کی تالیف ہونے کی وجہ سے اس رسالہ کی افادیت اور اہمیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

کتابیات

- ۱۔ ادب نامہ ایران (ادبیات ایران کی مختصر تاریخ) مرزا مقبول بیگ بدخشانی - لاہور
- ۲۔ اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری - ڈاکٹر فرمان فتحپوری لاہور ۱۹۷۲ء
- ۳۔ ایران صدیوں کے آئینہ مین - امرت لعل عشرت - بنارس ۱۹۸۶ء
- ۴۔ احوال وافکار واثار - علی قلی خان والہ داغستانی - ڈاکٹر عبدالغفار انصاری - بھاگلپور ۱۹۸۳ء
- ۵۔ آئین اکبری - ابوالفضل بہ نصیح سرسید احمد خان ۱۸۷۳ء
- ۶۔ بزم مملوکیہ - سید صلاح الدین عبدالرحمن - معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء
- ۷۔ پاکستان مین فارسی ادب کی تاریخ - ظہور الدین احمد - ترقی ادب لاہور
- ۸۔ تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران در دورہ معاصر - سعید نفیس - تہران جلد اول ۱۳۳۵ ش
- ۹۔ تاریخ ادبیات در ایران - ذبیح اللہ صفا - تہران ۵ - ۱۹۷۳ء
- ۱۰۔ تاریخ ادبیات ایران - براون مترجمہ سید سجاد حسین - ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۲ء
- ۱۱۔ تاریخ ایران بعد از اسلام - زرین کوب عبدالحسین - تہران ۱۳۶۳ ش
- ۱۲۔ تاریخ تذکرہ های فارسی - احمد گلچین معانی - دانشگاه - تہران جلد اول ۱۳۴۸
- ۱۳۔ تاریخ ادبیات ایران - ڈاکٹر رضا زادہ شفق - ترجمہ نیولینہوارٹ پریس دہلی - ۱۹۸۵ء

- ۱۲- تذکره بد بیضا - آزاد بلگرامی - خدا بخش لائبریری - پشته
- ۱۵- تذکره تحفه سلامی - سلام میرزا صفوی - تصحیح و مقدمه از رکن الدین همایون فرخ - ۱۳۱۷
- ۱۶- تذکره الشعراء - دولت شاه سمرقندی - لیدن مطبعه بریلی - ۱۹۰۱
- ۱۷- تذکره محاسن النقايس - علی شیرنوی - اهتمام علی اصغر حکمت تهران یونیورسٹی - ۱۳۶۳
- ۱۸- تذکره میخانه - عبدالنبی فخرالزمانی - با تصحیح و تنقیح و تکمیل تراجم با اهتمام احمد گلچین معانی ۱۳۶۳
- ۱۹- تذکره نصرآبادی - میرزا محمد طاهر نصرآبادی - مشتمل بر شرح حال و آثار قریب هزار شاعر عصر صفوی چاپخانه ارمغان - تهران ۱۳۶۱
- ۲۰- تذکره الشعراء - مولانا محمد عبدالغنی فرخ آبادی - انشی ثبوت گرث علی گڑھ ۱۹۱۶ء
- ۲۱- تذکره شعرای پارسی زبان کشمیر - خواجه عبدالحمید عرفانی با مقدمه بقلم آقابان رضا زاده شفق و ناظم زاده کرمانی - تهران ۱۳۳۵
- ۲۲- تذکره لباب الالباب - محمد عوفی با تصحیحات جدید و حواشی و تعلیقات کامل بکوشش سعید نفیسی دانشگاه اسلامی علیگڑھ
- ۲۳- تذکره هفت اقلیم - امین احمد رازی با تصحیح و تعلیق جواد فاغل
- ۲۴- تذکره تحفه سلامی (مصحفه پنجم) سلام میرزا صفوی بسمی و اهتمام و تصحیح ڈاکٹر اقبال حسین - علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۷۳ء

- ۲۵۔ تذکرہ کلمات الشعراء - محمد افضل سرخوشی تصحیح صادق علی دلاوری - ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۲۲ء
- ۲۶۔ تذکرہ ریاض الشعراء - قلعی نمبر ۵۱۱۲ - فارسی حبیب گنج کلکشن علی گڑھ
- ۲۷۔ تذکرہ مقالات الشعراء - میرعلی شیر قانع با مقدمہ و تصحیح و حواشی سید حسام الدین راشدی - کراچی پاکستان ۱۹۵۷
- ۲۸۔ تذکرہ مجمع الفصحا - رضا قلی خان ہدایت بکوشی مظاهر مصفا - چاپ بیروز - ۱۳۳۰
- ۲۹۔ تذکرہ شعرائے کشمیر - محمد اصحٰح تبریزی - گرد آورده حسام الدین راشدی - ۱۹۶۷
- ۳۰۔ تذکرہ شعرائے معاصر - سید عبدالحمید خلخالی - تہران - ۱۳۳۷
- ۳۱۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاک - ڈاکٹر سید علی رضا نقوی تہران - ۱۹۶۳
- ۳۲۔ تذکرہ سفینہ خوشگو - بندر ابن داس خوشگو - مرتبہ عطا الرحمن عطا کاکوی - پٹنہ - ۱۹۵۵
- ۳۳۔ تذکرہ مجمع النفایس - سراج الدین علی خان آرزو - خدا بخش لائبریری پٹنہ
- ۳۴۔ سرہند مین فارسی ادب - ادیس احمد - دہلی - ۱۹۸۸
- ۳۵۔ شعرائے اردو کے تذکرے - ڈاکٹر حنیف نقوی - وارانسی ۱۹۷۶
- ۳۶۔ شعرائے اردو کے اولین تذکرے - پروفیسر محمد انصار اللہ - علی گڑھ - ۱۹۷۸

- ۳۷۔ شعراالمجم - اول دوم سوم چہارم - شہلی نعمانی - لکھنؤ - ۱۹۲۲
- ۳۸۔ شعراے فارسی - ملاطین وامرا - مطبوعہ خدابخش لائبریری - پٹنہ
- ۳۹۔ عنادید عجم - مہدی حسین ناصری
- ۴۰۔ طبقات الشعراء - قدرت اللہ شوق مدیقی - مرتبہ نثار احمد فاروقی
مجلس ترقی ادب - لاہور - ۱۹۶۸
- ۴۱۔ ظہیرالدین محمد بابر (مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں) - سید صباح
الدین عبدالرحمن - اعظم گڑھ - ۱۹۸۶
- ۴۲۔ عہد محمد شاہی کے چند فارسی شعراء - ڈاکٹر عبدالغفار انصاری ۱۹۷۷
- ۴۳۔ فارسی ادب کے ارتقا کی مختصر تاریخ - پروفیسر ذبیح اللہ صفا - ۱۹۷۹
- ۴۴۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب - ڈاکٹر نوالحسن انصاری - دہلی ۱۹۶۹
- ۴۵۔ موزہ ملی - فہرست نسخہ های خطی فارسی - سید عارف نوشاھی کراچی
مرکز تحقیقات فارسی - ایران و پاکستان - اسلام آباد - ۱۹۸۳
- ۴۶۔ گنجینہ اذر - فہرست نسخہ های خطی فارسی کتاب خانہ دانشگاہ پنجاب
لاہور "گنجینہ اذر" تالیف سید خضر عباس نوشاھی - مرکز تحقیقات
فارسی ایران و پاکستان - اسلام آباد ۱۹۸۶
- ۴۷۔ فہرست نسخہ های خطی فارسی - بمبئی کتاب خانہ "موسسہ کاما" گنجینہ
مانگجی " - ڈاکٹر سید مہدی عرو - مرکز تحقیقات فارسی ایران و
پاکستان - اسلام آباد - ۱۹۸۶

- ۲۸۔ فہرست مخطوطات شیرانی - جلد اول مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین -
ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور - چاپ دوم ۱۹۷۵
- ۲۹۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو (فارسی - عربی) اجمالی فہرست - مرتبہ
سید سرفراز علی رضوی - انجمن ترقی اردو کراچی - ۱۹۶۷
- ۵۰۔ ہندوستان میں فارسی ادب - ڈاکٹر نسیم الدین - دہلی - ۱۹۸۵

ENGLISH BOOKS

1. Akbar the Great, Srivastava, A.L., Agra, 1962.
2. Akbar Nama , Abul Fazal, Delhi, 1972.
3. A Literary History of Persian, Vol.I,II,III,IV,
E.G. Browne, 1929,1928,1929,1930.
4. Rise and Fall of the Mughal Empire, Tripathi, R.P.
Allahabad, 1956.
5. History of Shahjahan of Delhi, Saksena, Banarsi Prasad
6. India Under the Muslim Rule President
7. Catalogue of the Arabic & Persian Manuscripts in
the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Vol.XI
(Persian MSS), History, K.B.O.P.L. Patna, 1983.
8. The handlist of the Persian MSS of the Khuda Bakhsh
Oriental Public Library, Patna, Entitled Mirat-ul Uloom
Vol.III, Prepared by S. Athar Shere Union Press, PATNA
1967.

9. A Descriptive Catalogue of the Persian Manuscripts
Vol.I, by Shaukat Ali Khan, Arabic & Persian Research
Institute, Rajasthan, TONK, 1987.
10. Descriptive Catalogue, NEW DELHI, 1964.
11. Persian Literature, Vol.I, Part 2 by C.A.Stor^ey,
Maulana Azad Library, A.M.U.Aligarh, 1953.
12. Catalogue of the Persian Manuscript in the Salar Jang
Museum, Hyderabad, 1965.